– سلسلہ اشاعت مجلس علمی

# قضاء وافتاء کے بنیادی اصول

مصنف

سید علی بن سید عبد الرحمن آل ہاشم

(دینی وعدالتی ترقیاتی امور حکومت متحدہ عرب امارات کے مقتدر مشیر، ورکن مجمع البحوث الاسلامیہ)

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

نام کتاب: مدخل إلی القضاء والإفتاء فی الشریعة الإسلامیة
(قضاء وافتاء کے بنیادی اصول)
مصنف: سید علی بن سید عبدالرحمن آل ہاشم
مترجم: (مفتی) احمد نادر القاسمی
صفحات: ۷۸
سن اشاعت:

ناشر

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)
۱۶۱-ایف، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۴۶
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
ای میل: fiqhacademy@gmail.com
فون: 011 - 26981779

# فہرست


| | |
|---|---|
| پیش لفظ | ۶ |
| تقریظ | ۹ |
| مقدمہ | ۱۱ |
| **فصل اول: قضاء اور اس سے متعلق مباحث** | ۱۴ |
| اول: قضاء کی تعریف | ۱۴ |
| دوم: قضاء کا حکم | ۱۶ |
| سوم: قاضی کی صفات | ۲۱ |
| چہارم: قاضی کے آداب | ۳۱ |
| پنجم: قاضی کی حاکمیت واختیارات اور خصوصیت | ۳۶ |
| ششم: قاضی کے فیصلے کی تنفیذ اور اس کے ذرائع | ۳۹ |
| **فصل دوم: افتاء اور اس سے متعلق مباحث** | ۴۱ |
| اول: افتاء کی تعریف | ۴۱ |
| دوم: مفتی کی صفات | ۴۲ |
| سوم: قاضی کا فتوی دینا | ۵۳ |
| چہارم: قضاء اور افتاء کے درمیان فرق | ۵۴ |
| خاتمہ | ۵۷ |
| مراجع ومصادر | ۶۰ |

# پیش لفظ

اس امت کا فریضہ منصبی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، ''کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله'' (سورہ آل عمران: ۱۱۰)، یہ ذمہ داری امت سے بھی متعلق ہے اور افراد سے بھی اور ہر فرد سے اس کی صلاحیت اور درجہ ومقام کے لحاظ سے مربوط ہے، امت کی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے فقہاء نے تین اہم اداروں کا ذکر کیا ہے، شعبہ احتساب، دفع مظالم اور قضاء، ان میں قضاء سب سے اہم ہے، جس میں دو ایسے فریقوں کے درمیان احقاق حق، اور دفع ظلم کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے جن کے درمیان نزاع پیدا ہوگئی ہو اور جو آپس میں اپنے مسائل کو طے نہیں کر سکتے، اسی طرح امر بالمعروف کا ایک شعبہ افتاء کا ہے، اس کام کو سرکاری طور پر بھی انجام دیا جاتا ہے اور انفرادی حیثیت سے بھی فتوی کے ذریعہ حلال اور حرام جائز وناجائز اور مستحب ومکروہ کے بارے میں رہنمائی کی جاتی ہے، اس لئے افتاء کا دائرہ بہ مقابلہ قضاء کے وسیع ہے، مثلاً عبادات سے قضاء کا تعلق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ کوئی غیر معمولی نزاعی صورت پیدا ہوجائے، اخلاقی احکام کے بارے میں قاضی کوئی حکم نہیں دے سکتا، لیکن مفتی اپنا فتوی جاری کرتا ہے، کیونکہ قضاء کسی حکم کو لازم قرار دینے کا نام ہے اور اس کی ضرورت اسی وقت پڑتی ہے جب کسی معاملہ میں دو فریقوں کے درمیان اختلاف ہو، اور افتاء، حکم شرعی سے باخبر کرنے کو کہتے ہیں، اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کوئی نزاع پائی جائے، یا دو فریقوں کے درمیان اختلاف واقع ہو۔

قضاء وافتاء کی اہمیت کی وجہ سے اس کے اصول وآداب اور احکام وشرائط پر بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں، خاص کر قضاء پر تو ایک پورا کتب خانہ موجود ہے۔

ایسی ہی کتابوں میں ایک اہم اور مفید اضافہ یہ کتاب یعنی "**مدخل إلى القضاء والافتاء في الشريعة الاسلامية**" (قضاء وافتاء کے بنیادی اصول) ہے، اس کتاب میں مؤلف نے بنیادی طور پر دو فصلیں قائم کی ہیں، پہلی فصل قضاء کے بارے میں ہے جس میں قضاء سے متعلق چھ بنیادی عناوین: قضاء کی تعریف، قضاء کا حکم، قاضی کے صفات، قضاء کے آداب، قاضی کے اختیارات اور قاضی کے فیصلوں کی تنفیذ کے ذرائع وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ دوسری فصل افتاء کے سلسلہ میں ہے جو چار مضامین پر مشتمل ہے، افتاء کی تعریف، مفتی کی صفات، قاضی کے فتوی دینے کا مسئلہ، اور قضاء وافتاء کے درمیان فرق، ظاہر ہے کہ ان عناوین سے آداب قضاء یا آداب افتاء کا احاطہ نہیں ہوتا، اور موضوع کا احاطہ واستیعاب مصنف کا مقصود بھی نہیں ہے؛ بلکہ مصنف کا مقصود ان دونوں موضوعات کا تعارف، اس کے بنیادی اصول کی وضاحت، اور قضاء وافتاء کی تعلیم دینے والے اساتذہ اور تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے لئے فن کی مبادی کی تشریح ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اپنے مقصد کے اعتبار سے یہ کتاب بہت اہم ہے اور مؤلف نے موضوع سے متعلق مستند اور اہم مراجع سے استفادہ کرتے ہوئے یہ خدمت انجام دی ہے۔

کتاب کے مؤلف شیخ سید علی بن سید عبد الرحمن آل ہاشم حفظہ اللہ ہیں، جو متحدہ عرب امارات میں مذہبی امور اور محاکم شرعیہ سے متعلق شیخ خلیفہ بن زائد آل نہیان کے مشیر ہیں۔ جامع ازہر مجمع البحوث الاسلامیہ کے رکن ہیں، مسلکاً مالکی ہیں اور عالم عرب کے معروف فقہاء میں ہیں، اور ان کی تحریر سے یہ بات ظاہر ہے کہ انہوں نے احکام شرعیہ کی تشریح میں وہی طریقہ اختیار کیا ہے، جو سلف صالحین کا رہا ہے، انہوں نے مختلف فقہاء کے مذاہب کو انصاف، احترام اور وسعت قلبی کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور اختلافی مسائل میں اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔

اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے محب عزیز مولانا احمد نادر القاسمی — بارک اللہ فی

علومہ وأعمالہ ونفع بہ المسلمین — کو کہ انہوں نے اس کتاب کی اہمیت وافادیت کو محسوس کرتے ہوئے مصنف سے اس کے ترجمہ کی اجازت چاہی، رواں اور آسان زبان میں اس کو اردو کا پیکر عطا کیا، اور بڑی خوش سلیقگی کے ساتھ کتاب کی ترجمانی کی؛ تا کہ اردو قارئین اور ہندوستان کی دینی جامعات کے اساتذہ وطلبہ بھی اس سے استفادہ کرسکیں، اکیڈمی کے لئے یہ بات باعث مسرت ہے کہ وہ اس تحفۂ عرب کو محفل عجم تک پہنچا رہی ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس کو قبول فرمائے اور لوگوں کے لئے نفع کا ذریعہ بنائے، **واللہ ھو المستعان**۔

یکم ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ
مطابق ۱۷/اگست ۲۰۱۵ء

خالد سیف اللہ رحمانی
(جنرل سکریٹری)

# تقریظ

عالی قدر مشیر، علامہ شیخ سید علی بن شیخ عارف باللہ سید عبد الرحمن بن سید احمد آل ہاشم دینی وقضائی ترقیاتی امور حکومت متحدہ عرب امارات کے مشیر، جامع ازہر ''مجمع البحوث الاسلامیہ'' کے رکن، مجلس علمی (۱۳۹۱ھ) کے بانی وموسس، کی شخصیت علمی اور دینی حلقہ میں مشہور ومعروف ہے۔

آپ کی شہرت دین کی گرانقدر خدمات، علوم شرعیہ اور امت کے مسائل مستقل مزاجی کے ساتھ حل کرنے کی سعی بلیغ کرنے والی ثابت قدم شخصیت کی حیثیت سے ہے، اور آپ ہی جیسی شخصیت پر رسول اللہ سیدنا ومولانا محمد ﷺ کا یہ قول :''المستشار موتمن'' (۱) (جسے مشیر بنایا جائے وہ امین ہوتا ہے) مکمل طور پر صادق آتا ہے، ہم آں جناب کے حصے میں آنے والی اس نعمت وسعادت پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

آپ کو قضاء کے میدان میں کام اور کوہ پیمائی کا طویل تجربہ ہے، آپ کے علمی اوراق ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک منتقل اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک بلند ہوتے رہے ہیں، یہاں تک کہ ممدوح محترم بلندیوں کے آخری زینہ تک پہنچ چکے ہیں، علم فقہ اور علوم شرعیہ کی تعلیم وتدریس کے میدان میں آپ کو جامعیت اور مرجعیت کی حیثیت حاصل ہے، طویل عرصہ سے اللہ کے دین کی اشاعت اور فتوی کی ذمہ داری پر مامور ہیں، مزید یہ کہ حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت الی اللہ کے آپ عظیم داعی بھی ہیں، ہمیشہ آسانی کو تنگی پر ترجیح دیتے ہیں، نصیحت میں بذلہ سنجی اور قول وعمل سے عالی قدری اور شرافت ٹپکتی ہے، جو بالخصوص اکثر ملکوں کی کانفرنسوں اور علمی حوار کی نشستوں میں، تقریب بین المذاہب اور تمام ادیان کے درمیان امن

وسلامتی کے موضوع پر منعقد ہونے والی مجلسوں اور پروگراموں میں دیکھنے میں آیا ہے کہ گفتگو کرتے ہوئے آپ سراپا وقار واقدار کا نمونہ معلوم ہوتے ہیں۔

اس طویل علمی سفر کے بعد آپ کی یہ علمی کاوش ایک مختصر اور معتمد رسالہ کی شکل میں سامنے آئی ہے، اور وہ بھی آپ کے انوکھے رہنما اسلوب اور اعلی قلم سے جس میں افتاء وقضاء سے متعلق اہم اور ضروری امور کو آپ نے محققانہ انداز میں بیان کر دیا ہے، اور اس کا نام **"مدخل إلى القضاء والافتاء في الشريعة الاسلاميه"** رکھا ہے، جو مکمل اسم بامسمی ہے۔

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو اس کا پوری بیدار مغزی اور ادراک سے مطالعہ کرے، اس کے لئے نفع بخش بنائے، اور جناب موصوف عالی قدر کو سلامت رکھے، اور مزید علم، دین اور امت کی خدمت اور علمی سوغات پیش کرنے میں مدد فرمائے (آمین)۔

**وصلى الله وسلم وبارك على سيدنا محمد وعلى آله الطيبين الطاهرين ورضى الله تبارك وتعالى عن الصحابة والتابعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔**

كتبه راجى عفو ربه
الدكتور ناجى بن راشد العربى
پروفیسر فقہ وحدیث بحرین یونیورسٹی، ورکن فتوی کمیٹی،
ورابطہ علماء شریعہ خلیجی ممالک تعاون کونسل
تاریخ: سہ شنبہ ۹ رجمادی الاخری ۱۴۳۰ھ
مطابق: ۲ رجون ۲۰۰۹ء

# مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو دونوں جہانوں کا پالن ہار ہے، صلاۃ وسلام نازل ہو انبیاء ومرسلین کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہمارے اس سردار پر جو امانت دار اور پوری دنیا کے ہادی ورہنما ہیں، اور ان کی پاک ومقدس آل واولاد پر اور تمام صحابہ کرام پر جو ہدایت یافتہ اور لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھانے والے تھے۔

قضاء کا عمل جیسا کہ سیدنا عمر بن الخطابؓ نے فرمایا: یہ ایک ہمیشہ جاری رہنے والا محکم فریضہ ہے، ایسی سنت اور طریقہ ہے جس کی اتباع کی گئی ہے اور کی جاتی رہے گی، لہذا دھیان رہے کہ جب کوئی مقدمہ تمہارے پاس لایا جائے تو اس بارے میں تمہاری کہی ہوئی کوئی حق بات اس وقت تک نفع دینے والی نہیں ہوگی جب تک اس کا نفاذ نہ ہو، اور لوگوں کے درمیان اپنے چہرے پہ، اپنی مجلس میں اور اپنے انصاف میں ہر ایک کے لئے امید کی کرن اور برابری کا خیال رکھو، تا کہ کوئی صاحب حیثیت اور بااثر آدمی تم سے یہ امید نہ لگا بیٹھے کہ وہ تم سے کوئی غلط فیصلہ کرالے گا اور نہ کسی کمزور کو تمہارے انصاف سے مایوسی ہو، ''جو شخص دعوی کرنے والا ہے اس کے ذمہ دلیل فراہم کرنا ہے، اور جو مدعی علیہ اور اس کا منکر ہے اس کے اوپر قسم ہے، مسلمان کے درمیان ہر طرح کی مصالحت جائز ہے، سوائے ایسی صلح کے جو حلال کو حرام، اور حرام کو حلال کرنے والی ہو، تمہارا کوئی فیصلہ تمہیں کل کے غور وفکر سے نہ روکے جس میں کہ آج تمہارا فہم مراجعت کا متقاضی ہو اور تمہیں حق تک رسائی حاصل کرنے میں تمہاری ہدایت کرنے والا ہو کہ تم حق کی طرف لوٹ سکو، اس لئے کہ حق ہی ثابت اور ناقابل تردید ہے اور

حق کی طرف لوٹنا باطل پر بے جا اصرار سے بہتر ہے''(۲)۔

ان بیش قیمت کلمات کے ذریعہ سیدنا عمر فاروقؓ نے نظام قضاء اور فیصلے کے لئے دستور وضع فرمایا، تاکہ اس کی حکمرانی کا سایہ فگن رہے جب اللہ تعالی اس امت کو اس زمین کا اور اس پر بسنے والے انسانوں کا نگہبان اور وارث بنائے، اور اس کے ذریعہ لوگوں کے مصالح کو یقینی بنایا جائے، ان کے حقوق کو تحفظ فراہم ہو، عدل وانصاف کی بالادستی قائم ہو، ظلم کا خاتمہ ہو، لوگ اپنی زندگی کے بارے میں مامون رہیں، اور لوگ اس کے ذریعہ اپنی خوش بختی اور اطمینان محسوس کریں۔

مذکورہ امور کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے خیال کیا کہ اس مختصر رسالہ میں ''شریعت اسلامی میں طے کردہ افتاء وقضاء کے مدخل (بنیادی اصول کے نچوڑ) اور ان سے متعلق اہم امور اور مواد جو اہل ایمان کے لئے دنیا وآخرت دونوں اعتبار سے نفع بخش ہیں، ان کو جمع کردوں، اور یہ کتاب جو مختصر انسائیکلو پیڈیا ہے، میں نے محسوس کیا کہ مندرجہ ذیل چیزوں پر مشتمل ہو:

الف – قضاء کی اہمیت سے متعلق جامع مقدمہ۔

ب – فصلیں۔

☆ پہلی فصل جس کا عنوان قضاء ہے اس سے متعلق چھ مباحث ہیں:

۱۔ قضاء کی تعریف۔

۲۔ قضاء کا حکم۔

۳۔ قاضی کی صفات۔

۴۔ قاضی کے آداب۔

۵۔ قاضی کی حاکمیت اور اس کی خصوصیات۔

۶۔ قاضی کے فیصلے کی تنفیذ اور اس کے ذرائع۔

☆ دوسری فصل : ''افتاء'' اس سے متعلق چار بحثیں ہیں:

۱۔ افتاء کی تعریف۔

۲۔مفتی کی صفات۔

۳۔قاضی کا فتوی دینا۔

۴۔قضاء اور افتاء کے درمیان فرق۔

اس کے بعد آخری بحث ہے جو اس رسالہ کے خلاصے سے متعلق ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس عمل کو خالص اپنے لئے قبول فرمائے، اس کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے نفع بخش بنائے، وہی اس کا نگہبان ہے اور اس کی تکمیل کی توفیق دینے پر قادر ہے، میرا آخری پیغام یہ ہے کہ تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں جو دونوں جہاں کا رب ہے۔

مولف

دوشنبہ ۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

مطابق: ۹ مارچ ۲۰۰۹ء

فصل اول:

# قضاء

## اول : قضاء کی تعریف:

''قضاء'' لغت میں حکم (فیصلہ) کو کہتے ہیں (۳)۔

اہل حجاز کہتے ہیں: قاضی کا معنی لغت میں محکم امور کو قطعی شکل دینے والے کے ہے، اس کی اصل کاٹنا اور جدا کرنا ہے، کہا جاتا ہے :''قضی یقضی قضاءً فهو قاضٍ'' (جب اس نے حکم دیا اور فیصلہ کیا تو فیصلہ کرنے والا قرار پایا)، لغت میں مختلف طریقہ سے آتا ہے جس کا حاصل چیز کو الگ کرنا، ختم کرنا اور اسے مکمل کرنا ہے (۴)۔

انہی معانی میں سے ایک یہ ہے کہ قضاء تخلیق وایجاد اور بنانے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے، جیسے ارشاد باری تعالی ہے :''فقضاهن سبع سموات فی یومین'' (۵) (پس اللہ تعالی نے ساتوں آسمان دو دن میں بنا دیئے) یعنی اس کو پیدا کیا اور بنایا، اور عمل کے لئے بھی بولا جاتا ہے، جیسے ارشاد باری تعالی ہے :''فاقض ما أنت قاض'' (۶) (اب تو تو جو کچھ کرسکتا ہے کر گذر) اور اسی طرح حتمی حکم کے معنی میں بھی آیا ہے، جیسے :''وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاه وبالوالدین إحسانا'' (۷) (آپ کے رب کا حکم اور قطعی امر ہے کہ عبادت صرف اسی کی کرنا، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک روا رکھنا)، یعنی آپ کے رب کا حکم اور حتمی فیصلہ ہے۔

اور ''قضاء'' کے معنی ادا کرنا بھی ہے، بولا جاتا ہے: میں اپنا دین قضاء کر دیا، یعنی ادا کر دیا، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے :''فإذا قضیتم الصلاة'' (۸) (یعنی جب تم نے نماز ادا

کرچکو) اور پہنچانے اور ابلاغ کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے، جیسے قرآن میں ہے :"وقضینا إلیه ذلک الأمر" (۹) (اور ہم نے اس کی طرف اس بات کا فیصلہ کردیا)، اسی طرح عہد ومیثاق کے لئے بھی بولا جاتا ہے، جیسے :"وقضینا إلی بنی إسرائیل فی الکتب" (۱۰) (اور ہم نے اس کی کتاب (توریت) میں بنی اسرائیل کے لئے صاف فیصلہ کردیا تھا)، اسی طرح موت کا حکم صادر کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے :"فلما قضینا علیه الموت" (۱۱) (توجب ہم نے ان پر موت کا حکم بھیج دیا)، اسی طرح کسی چیز کے پہنچنے اور پانے کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے آپ کہیں: میں نے اپنی ضرورت پوری کرلی، یعنی میں نے اس کو پالیا اور وہاں تک پہنچ گیا، اور اس طرح میں نے اپنی ضرورت پوری کرلی (۱۲)۔ نیز تقدیر پر بھی قضاء کا اطلاق ہوتا ہے۔

قضاء وقدر: کائنات میں موجود چیز کے بارے میں اللہ رب العالمین کے حکم کلی کا نام ہے کہ جو چیز جس حالت پر ہے اسی پر ازل سے ابد تک جاری وساری رہے گی (۱۳)۔

## قضاء کی اصطلاحی تعریف:

- حنفیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے : مقدمات فیصل کرنا، جھگڑے کو ختم کرنا، ابن عابدین (۱۴) نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ خاص طور پر، جس میں فریقین کے درمیان صلح کی کسی کوشش کو دخل نہ ہو (۱۵)۔
- مالکیہ کے نزدیک لازمی طور پر عمل کرنے کے لئے کوئی حکم شرعی بتانا، قضاء ہے (۱۶)۔
- شافعیہ کے نزدیک جس پر کسی حکم شرعی پر عمل کرنا لازم ہو اس پر اس کو لازم قرار دینا (۱۷)۔
- حنابلہ کے نزدیک حکم شرعی کو واضح کرنا، اسے لازم قرار دینا، اور مقدمات فیصل کرنا قضاء ہے (۱۸)۔

اور فقہاء لفظ قضاء کا استعمال مذکورہ امور کے علاوہ عبادات میں بھی کرتے ہیں، شریعت

میں عبادت کے لئے متعین وقت کے علاوہ میں انجام دینے کی مشروعیت کی وجہ سے (۱۹)، جیسا کہ "قضاء الدین" (دین کی ادائیگی) کی عبارت کا استعمال دین کے مطالبہ کو روک دینے اور ادا کر دینے پر دلالت کرنے کی وجہ سے ادائیگی کرتے ہیں، اور "قضاء حاجت" کے لفظ کا استعمال بیت الخلاء کے لئے اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے کرتے ہیں (۲۰)۔

## دوم: قضاء کا حکم:

قضاء ایک جائز اور مشروع عمل ہے، اس کی مشروعیت اور جواز کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

### کتاب اللہ سے اس کا ثبوت:

**"یا داؤد إنا جعلناک خلیفة فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوی فیضلک عن سبیل الله" (۲۱)۔**

(اے داؤد ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے، لہذا آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کیجئے، اور خواہشات کی پیروی مت کیجئے، ورنہ یہ آپ کو اللہ کے راستہ سے ہٹا دے گی)۔

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

**"أن احکم بینهم بما أنزل الله" (۲۲، ۲۳)۔**

(یہ کہ آپ ان کے معاملہ میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی فیصلہ کیجئے)۔

### سنت رسول سے اس کا ثبوت:

حضرت عمرو بن العاص رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

**"إذا حکم الحاکم فاجتهد ثم أصاب، فله أجران، وإذا حکم واجتهد ثم اخطأ فله أجر" (۲۴)۔**

(حاکم (قاضی) نے کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد اور غور وفکر سے کیا اور اس فیصلہ میں صحیح

نتیجہ تک پہنچا تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے، اور اپنے غور وفکر سے فیصلہ کیا اور اس میں خطا کر گیا تو بھی اس کو ایک اجر ہے )۔

۲ – رسول اللہ ﷺ نے خود قاضیوں کو مقرر (اپائنٹ) فرمایا ہے، چنانچہ حضرت علی کو یمن کا قاضی بنا کر آپ نے بھیجا (۲۵)، اسی طرح خلفاء راشدین نے آپ کے بعد اس عمل کو جاری رکھا، اور مختلف ملکوں کے لئے قضاۃ مقرر فرمائے اور بھیجے۔

## اجماع سے اس کی مثال :

قضاۃ کے تقرر اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی مشروعیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

## شرعی حکم :

قضا کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، اگر اس نظام کو روبہ عمل لانے والے اہل لوگوں میں سے کسی نے اس فریضہ کو پورا کر دیا تو یہ فریضہ باقی لوگوں سے ساقط ہو جائے گا، اگر اس کی صلاحیت رکھنے والے تمام اہل لوگوں نے اس فریضہ سے روگردانی کی تو سب گناہ گار ہوں گے۔

## نظام قضاء کی فرضیت کی دلیل اور وجہ فرضیت :

جہاں تک اس کی فرضیت کا تعلق ہے تو ارشاد باری تعالی ہے :

"**يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط**" (۲۶) (اے ایمان والو عدل وانصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے بن جاؤ)۔

اس لئے کہ آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا، اور دوسرے کے حقوق ادا کرنے سے گریز کرنا انسان کی فطرت ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ازخود اپنے اوپر انصاف نافذ کریں، اور ایسے ہی کوئی امام (قاضی) بھی اپنی ذات سے متعلق مقدمات کے فیصلہ پر قادر نہیں ہوتا، بلکہ دوسرا شخص

ہی اس کے حق میں فیصلہ کرسکتا ہے، لہذا قضاۃ مقرر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

اور جہاں تک اس دینی ذمہ داری کے فرض کفایہ ہونے کی بات ہے تو بھلائی کا حکم دینا اور منکر سے لوگوں کو روکنا یہ دونوں فرض علی الکفایہ ہیں (۲۷)۔

قضا کا عمل ایک عظیم عبادت ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ مظلوم کی مدد کی جاتی ہے، مستحق تک اس کا حق پہنچایا جاتا ہے، ظالم کو ظلم سے باز رکھا جاتا ہے، لوگوں کے درمیان مصالحت کرائی جاتی ہے، ایک دوسرے سے الجھے ہوئے لوگوں کو تصفیہ کے ذریعہ آزاد کرایا جاتا ہے، اور جھگڑا جو اصل فساد کی جڑ ہے، اسے ختم کرایا جاتا ہے۔

## قضاء سے مستثنی احکام:

پانچ احکام قضاء سے مستثنی ہیں، لہذا جو شخص فیصلے کی صلاحیت رکھتا ہے، اگر اس سے اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی درخواست کی جائے، تو اس وقت تک اس کے لئے اسے قبول کرنا ضروری نہیں جب تک کوئی دوسرا شخص اس کا اہل موجود ہو، لیکن اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اس کام کو انجام دینے والا نہ ہو تو پھر اس ذمہ داری کو قبول کرنا اس پر فرض عین ہوگا، اس حالت میں اگر قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو وہ اسی طرح گناہ گار ہوگا، جس طرح دوسرے فرائض کو چھوڑنے سے گناہ گار ہوگا۔

## اس سلسلہ میں ائمہ متبوعین کی رائے:

### مالکیہ کی رائے:

مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ اس شخص کے لئے قضاء کی ذمہ داری قبول کرنا واجب ہے، اس عہدہ کو قبول نہ کرنے کی صورت میں اپنے آپ کو آزمائش میں مبتلا کئے جانے کا خطرہ محسوس کرے، یا دوسرے کے بارے میں اسی طرح کا اندیشہ محسوس کرے، یا اس بات کا اندیشہ ہو کہ

اس کے اس عہدہ کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے اس شخص کا یا اس کے علاوہ کسی اور کا حق ضائع ہوجائے گا۔

البتہ اگر ایک شہر میں کئی اشخاص قضاء کی اہلیت رکھتے ہوں اور ان میں سے کسی کو اس ذمہ داری کی پیش کش کی جائے تو حنفیہ کی ایک رائے کے مطابق انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی اقتداء میں اسے قبول کرنا افضل اور بہتر ہے، اور حنفیہ کی دوسری رائے کے مطابق قبول نہ کرنا زیادہ بہتر اور افضل ہے، اسی طرح اس ذمہ داری کو قبول کرنا اس وقت مستحب اور مستحسن ہے جب شہر میں اس کے علاوہ لوگ بھی اس کے اہل موجود ہوں، لیکن وہ دوسرے سے افضل اور اعلی ہو۔

- اور مالکیہ کے نزدیک اس شخص کے لئے قضاء کا عہدہ قبول کرنا اس وقت مستحب ہے جب وہ عالم ہو، معاشی اعتبار سے تنگ دست (فقیر) ہو، تاکہ اس ذمہ داری کی وجہ سے اس کی بنیادی ضرورت بیت المال سے پوری کی جانے کی راہ ہموار ہو، یا ایسا عالم ہو جو وعظ ونصیحت اور تذکیر کی بھی صلاحیت رکھتا ہو، تاکہ اس کا علم پھیلے اور اس سے لوگ نفع اٹھائیں۔

## شافعیہ اور حنابلہ کی رائے:

شافعیہ اور حنابلہ کا خیال ہے کہ قضاء کے کام کو بروئے کار لانا اس وقت ایک امر مباح اور محض جائز عمل قرار پاتا ہے، جب کوئی اجتہاد کا اہل اور اس پر قدرت رکھنے والا عادل شخص موجود ہو، اور اس کے علاوہ بھی اس کے مثل کوئی دوسرا شخص میسر ہو۔

شافعیہ کا ایک خیال یہ بھی ہے: ایسے شخص کو جو قضاء کا طالب نہ ہو، اس کے قاضی بننے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو یہ عرض کیا گیا کہ اس کی حالت اور صلاحیت کا جائزہ لیتے ہوئے اس کو قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے، البتہ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ قضاء کی ذمہ داری قبول کرے، یا منع کردے، اس لئے کہ اس ذمہ داری کو دوسرا شخص بھی ادا کرسکتا ہے۔

حنفیہ کی رائے:

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ عدل وانصاف کے قیام کے خواہاں شخص کے لئے اس ذمہ داری کو قبول کرنا رخصت ہے، قبول کرسکتا ہے، اور قبول نہ کرنا عزیمت ہے، کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ یہ ذمہ داری اس کے موافق نہ ہو، اور اس وقت اس ذمہ داری کو قبول کرنا نامناسب اور مکروہ ہے، جب اس کے ذریعہ جاہ وجلال اور لوگوں پر غلبہ وبرتری حاصل کرنے کا جذبہ ہو، یا قضا پر مامور رہتے ہوئے (بقدر کفاف بھی) تنخواہ لینے سے بے نیاز ہو، یا وہ اتنا شہرت یافتہ ہو کہ اس بات کا محتاج نہ ہو کہ اپنے آپ کو اور اپنے علم کو قضاء کے ذریعہ شہرت دے، یا قضاء کا اس سے زیادہ اہل آدمی موجود ہو۔

اور اس شخص کے لئے قضاء کی ذمہ داری قبول کرنا حرام ہے جب اس کے اندر قضاء کی اہلیت ہی نہ ہو، بلکہ جاہل ہو، یا اہل علم تو ہو، مگر اپنی ذمہ داری پوری کرنے سے قاصر اور عاجز ہو، یا ایسے کاموں میں ملوث ہو جو اس کے لئے فسق کے موجب ہوں، یا قاضی بن کر اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کا قصد رکھتا ہو، یا رشوت لیتا ہو، اور اسی طرح کی اور دیگر چیزیں (۲۸)۔

نیز حنفیہ نے اس شخص کو قاضی مقرر کرنے کو تحریمی طور پر منع کیا ہے، جس کے بارے میں ظالمانہ رویہ قضا کے معاملہ میں اختیار کرنے کا اندیشہ ہو، بایں طور اس بات کا گمان ہو کہ وہ اپنے فیصلے میں ظلم وجور کو روا رکھے گا، یا ایسا خیال کیا جاتا ہو کہ وہ خصم کے دعاوی کو سننے کے معاملہ میں عاجز رہے گا، یہ اس صورت میں ہے جب اسی پر یہ کام منحصر نہ ہو، اگر اسی پر یہ کام منحصر ہو، یا اس طرح کا اندیشہ نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے (۲۹)۔

امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام شہروں میں قاضی کا تقرر کرے، اس لئے کہ وہ لوگوں پر خلیفہ بنایا گیا ہے اور امت کے کاموں کو انجام دینا اسی کا کام ہے، اس کی بھلائی کا ترجمان ومتکلم اور اس کا جواب دہ ہے، لہذا اسے اختیارات عامہ حاصل ہونے کی وجہ سے اس کی ذمہ داری بنتی

ہے کہ وہ قاضیوں کا تقرر کرے، نیز اس لئے بھی کہ قاضی مقرر کرنا اس کے علاوہ کسی اور کے ذریعہ درست بھی نہیں ہے(۳۰)۔

## قضاء کی حکمت :

قضاء کی حکمتوں میں سے تھا رج (مملکت میں پائی جانے والی مطلق العنانی اور بے چینی) کو رفع کرنا، نوائب (عوام میں پیدا ہونے والے حوادث اور طوائف الملوکی) کو دور کرنا، ظالم کا خاتمہ کرنا، مظلوم کی مدد کرنا، جھگڑوں کو ختم کرنا، بھلائی کا حکم دینا اور منکر سے روکنا اور ہر چیز کو اپنی جگہ پر رکھنا ہے، تا کہ ظالم کو ظلم سے باز رکھا جا سکے(۳۱)۔

## سوم : قاضی کی صفات:

فقہاء نے کسی کو قاضی مقرر کرنے کے لئے چند شرائط متعین کئے ہیں، چنانچہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قاضی میں چار چیزیں پائی جانی ضروری ہیں:

(۱) مسلمان ہونا، (۲) عاقل ہونا، (۳) بالغ ہونا، (۴) آزاد ہونا(۳۲)۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل چیزوں کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

## حنفیہ کے نزدیک قاضی کی صفات:

حنفیہ کے نزدیک ہر اس شخص کو قاضی مقرر کرنا درست ہے جو مسلمانوں کے معاملہ میں شہادت (گواہی) دینے کی اہلیت رکھتا ہو، اور شہادت کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

اسلام، عقل، بلوغ، حریت، بینا، اور صاحب نطق ہونا (گونگا نہ ہونا) تہمت کی حد سے محفوظ ہونا، کافر، پاگل، بچہ، غلام، نابینا، اخرس (گونگا) اور جس کو تہمت کی حد لگائی گئی ہو، اس لئے کہ قضاء، ولایت کے قبیل سے ہے، بلکہ یہ اعظم ولایات (اختیارات) میں سے ہے، اور یہ لوگ ادنی ولایت، یعنی جب شہادت کی اہلیت نہیں رکھتے تو اعلی ولایت کے کیسے

اہل ہوسکتے ہیں؟اس لئے یہ لوگ اعلی ولایت کے حقدار نہیں قرار پائیں گے۔

جہاں تک مذکر ہونے کا تعلق ہے تو یہ من جملہ قاضی مقرر کئے جانے کی شرائط میں سے نہیں ہے(۳۳)، اس لئے کہ عورت بھی مجموعی حیثیت میں گواہی کی اہل ہے، البتہ وہ حدود اور قصاص کے معاملہ میں شہادت دینے کی اہل نہیں ہے، اس لئے کہ ان امور میں اس کی شہادت ہی معتبر نہیں ہے، اور یہ معلوم ہے کہ قضا کی اہلیت، شہادت کی اہلیت کے ساتھ ہی گردش کرتی ہے(۳۴)۔

اور حلال وحرام کے ساتھ دیگر تمام احکام کا علم قاضی کے لئے شرط ہے یا نہیں؟ اس بارے میں حنفیہ کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے، ایک فریق کی رائے یہ ہے کہ کسی کو قاضی مقرر کئے جانے کے لئے اس کی شرط نہیں ہے، بلکہ یہ صرف مستحب اور ندب کے درجہ کی شرط ہے، اس لئے کہ قاضی کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ دوسرے علماء کی طرف رجوع کرے اور ان سے فتوی دریافت کرکے اس کے مطابق فیصلہ صادر کرے، لیکن باوجود اس گنجائش کے مناسب نہیں ہے کہ احکام شریعت سے ناواقف شخص کو قاضی مقرر (اپائنٹ) کیا جائے، اس لئے کہ ناواقف اور جاہل شخص لاشعوری میں غلط فیصلے بھی کرسکتا ہے(۳۵)۔

دوسرے فریق کی رائے یہ ہے کہ قاضی کے لئے (کسی شخص کے قاضی بننے کے لئے) شرط یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت کا عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اجتہادی رائے قائم کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو، اس پر ان حضرات نے نص شرعی اور دلائل عقلیہ سے استدلال کیا ہے۔

## نص سے استدلال:

**"روی عن النبی ﷺ أنه لما بعث معاذاً إلی الیمن قال له :کیف تقضی؟ قال :أقضی بما فی کتاب الله، قال :فإن لم یکن فی کتاب الله؟ قال :فبسنة رسول الله ﷺ، قال :فإن لم یکن فی سنة رسول الله ﷺ؟ قال: أجتهد رأیی، قال :الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله ﷺ"**۔

(نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جب حضرت معاذ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان سے دریافت کیا کہ کس طرح فیصلے کروگے؟ تو انہوں نے کہا جو کچھ کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا، پھر حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم کو کتاب اللہ میں اس بارے میں کوئی چیز نہ ملے تو کیا کروگے؟ تو انہوں نے کہا: سنت رسول اللہ ﷺ سے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر وہاں بھی تمہیں کوئی چیز نہیں ملے تو کیا کروگے؟ تو حضرت معاذ نے کہا: تو پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے اظہار مسرت فرماتے ہوئے کہا: الحمد للہ، تمام تعریف اس ذات کے لئے ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس کی توفیق بخشی) (۳۶، ۳۷)۔

## عقلی دلیل:

قاضی حق فیصلہ پر مامور ہے، اللہ تعالی کا حضرت داؤد کے بارے میں ارشاد ہے:

"یا داؤد إنا جعلناک خلیفة فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق" (۳۸)

(اے داؤد ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا کر بھیجا ہے، لہذا آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے)۔

اور حق فیصلہ اسی وقت ممکن ہے جب قاضی کتاب وسنت کا عالم اور اجتہاد کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو، اس لئے کہ واقعات لامحدود ہیں، جبکہ نصوص محدود ہیں، اس لئے قاضی کے لئے ہر حادثہ اور واقعہ میں نص ملنا مشکل ہے جس کی بنیاد پر مقدمات فیصل کر سکے، لہذا یہ بات مسلم ٹھہری کہ وہ نصوص کے معانی کے استنباط کا محتاج ہے، اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب وہ اجتہاد کی بھی صلاحیت رکھتا ہو (مجتہد عالم ہو) (۳۹)۔

## عدالت:

عدالت قاضی مقرر کئے جانے کی شرائط میں سے تو نہیں ہے، تاہم شرط کمال ضرور

ہے کہ وہ عادل بھی ہو، یہی وجہ ہے کہ فاسق کو بھی قاضی مقرر کرنا جائز ہے اور اگر وہ اپنے فیصلے میں شریعت کی حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس کے فیصلے بھی نافذ ہوں گے، لہذا جب وہ شہادت کا اہل ہے، تو قضاء کا بھی اہل ہوگا (۴۰)۔

## مالکیہ کے نزدیک قاضی کی صفات:

مالکیہ کے یہاں قاضی مقرر کئے جانے کی چار شرطیں ہیں:

اول: یہ کہ وہ عادل ہو، اور عدالت کی صفت اسلام، بلوغ، عقل، حریت اور عدم فسق کو خود بخود شامل ہے۔

دوم: یہ کہ وہ مرد ہو۔

سوم: یہ کہ وہ ذہین وفطین ہو، اور فطانت کہتے ہیں ذہن کی پختگی اور کلام کے معانی کے صحیح ادراک کی قوت کو (۴۱)۔

چہارم: یہ کہ وہ احکام شرعیہ کا عالم ہو جس کے ذریعہ فیصلے کرنے کے لئے اس کو قاضی مقرر کیا گیا ہے، اگرچہ وہ کسی معتمد مجتہد کا مقلد ہی کیوں نہ ہو، البتہ اس میں خلیل نے اختلاف کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک شرط ہے کہ قاضی مجتہد ہو—اگر اس کا ملنا میسر ہو—، ورنہ مقلد ہی میں زیادہ لائق مند کو قاضی مقرر کر دیا جائے گا (۴۲)۔

مالکیہ کے یہاں یہ بھی ضروری ہے کہ قاضی سمیع ہو، بصیر ہو، متکلم ہو، اس لئے اندھے، بہرے اور گونگے کو قاضی بنانا درست اور جائز نہیں ہے، ان صفات سے قاضی کا متصف ہونا ابتدائی مرحلہ (جس وقت اس کو قاضی مقرر کیا جا رہا ہو) میں بھی ضروری ہے، اور انتہاءاً، یعنی جب تک قضاء کے عہدے پر برقرار رہے اس وقت تک بھی ضروری ہے، یہ تولیت قضاء کی صحت کے لئے شرائط میں سے نہیں ہے، اگر وہ کوئی حکم صادر کر دے تو ان شرائط کے فقدان کے باوجود وہ نافذ ہو جائے گا، البتہ دو صفتوں کے فقدان کی صورت میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے،

اوران میں سے تین صفات کے فقدان کی صورت میں اس کا فیصلہ بھی نافذ نہیں ہوگا (۴۳)۔

## شافعیہ کے نزدیک قاضی کی صفات:

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ قاضی کے اندر مندرجہ ذیل دس معتبر شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) مسلمان ہونا، (۲) آزاد ہونا، (۳) مرد ہونا، (۴) مکلف ہونا، (۵) عادل ہونا، (۶) بینا ہونا، (۷) سمیع ہونا، (۸) صاحب نطق وتکلم ہونا، (۹) مجتہد ہونا، (۱۰) فیصلہ کرنے کی مطلوبہ لیاقت کا پایا جانا، جس سے وہ فیصلہ کر سکے۔

بعض شافعیہ نے قاضی کے اندر ازخود حق کی تنفیذ کی قوت پائے جانے کی بھی صراحت کی ہے، اسی لئے ان کے نزدیک ایسے شخص کو قاضی نہیں بنایا جائے گا جو غفلت برتنے کا عادی ہو یا درازی عمر یا کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے بینائی مختل اور کمزور ہوگئی ہو (۴۴)۔

جہاں تک شوافع کے نزدیک عدالت کے شرط ہونے کی بات ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ نہ تو فاسق کی ولایت ان کے نزدیک درست ہے، اور نہ ہی اس کا فیصلہ نافذ ہوگا اور نہ ہی اس کی کوئی بات قابل قبول ہوگی، اس لئے کہ جب فاسق کی شہادت قبول نہیں ہے تو اس کا فیصلہ بدرجہ اولی نافذ نہیں ہوگا، اور اگر کسی فاسق کو قاضی مقرر ہی کر دیا جائے تو ان کے یہاں صحیح مذہب یہی ہے کہ اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا، البتہ امام غزالی صراحت کرتے ہیں کہ احکام کی تنفیذ کی ضرورت کے مدنظر اس کے فیصلہ کو بھی نافذ کرنا ضروری ہے، تاکہ لوگوں کے مصالح معطل نہ ہوں (۴۵)، لیکن دسویں شرط، یعنی فیصلے کی مطلوبہ حد تک لیاقت کا پایا جانا، یہ صحیح قول کے مطابق شرائط میں سے نہیں ہے۔

اجتہاد: اس سے مراد کتاب وسنت، اجماع، قیاس، علماء کے اقوال کا علم اور عربی زبان پر عبور ہے (کیونکہ اس کے ذریعہ ہی ایک شخص اجتہاد کا اہل ہوسکتا ہے—مترجم)۔

## حنابلہ کے نزدیک قاضی کی صفات:

حنابلہ نے بھی قاضی کے لئے عاقل، بالغ، مرد، آزاد، مسلم، عادل، سمیع، بصیر، متکلم اور مجتہد ہونے کی شرط لگائی ہے، انہوں نے اس کی شرط نہیں لگائی ہے کہ قاضی کاتب بھی ہو، اس لئے کہ نبی ﷺ امی تھے، جبکہ آپ حاکموں کے حاکم اور سردار تھے۔

## حنابلہ کے نزدیک قضاء کی شرطیں:

حنابلہ امکان کے لحاظ سے اس کا اعتبار کرتے ہیں، اور حسب مراتب اور درجہ کے لحاظ سے قاضی مقرر کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں، باحیثیت شخص کے قاضی بنائے جانے کے ممکن نہ ہونے کی صورت میں دو فاسقوں میں سے جو زیادہ نفع بخش ہو اور شر پسند میں سے جو کم شر پسند ہو، اور مقلد میں سے جو زیادہ عادل اور زیادہ جانکار اور فہم رکھتا ہو اس کو قضا کی ذمہ داری سپرد کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں، ورنہ احکام معطل اور نظام حکومت مختل ہو کر رہ جائیں گے (۴۶)۔

## مسئلہ: (مفضول) کم درجے کے شخص کو قضاء کی ذمہ داری سپرد کرنے کا حکم:

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کو قاضی مقرر کرنے کا اختیار ہے، اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ علمی، دینی، اس کام پر زیادہ قدرت رکھنے، اس کی پاکدامنی اور قوت کے لحاظ سے زیادہ بہتر اور فائق شخص کو یہ ذمہ داری سپرد کرے، اس لئے کہ امام مسلمانوں کا نگراں ہوتا ہے، اس لئے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے لئے ان کے مناسب اور باصلاحیت فرد کا انتخاب کرے، اس لئے کہ بہتر اور افضل زیادہ ثابت قدم اور اس پر ڈٹا رہنے والا ہوگا، البتہ زیادہ لیاقت والے شخص کے موجود ہونے کے باوجود کمتر درجہ (مفضول) شخص کے انتخاب کے جواز میں اختلاف ہے:

مالکیہ کی ایک رائے یہ ہے کہ مجتہد کی موجودگی میں مقلد کا قاضی بنایا جانا درست نہیں ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ درست ہے، اور اس پر امام مالک اور دوسرے مجتہدین کے

دور میں عمل رہا ہے، اس مسئلہ میں شافعیہ کے یہاں بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے، قاضی حسین (۴۷) اور امام الحرمین (۴۸) نے اس کی صراحت کی ہے۔

امام (شافعی) کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اصولیین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، اکثر حضرات (شوافع) اس کو جائز کہتے ہیں اور یہی قول مختار ہے، ماوردی (۴۹) کی رائے یہ ہے کہ اگر افضل شخص کے ہوتے ہوئے ادنی کی طرف عدول کرتے ہوئے اس کو قاضی بنا دیا گیا تو ولایت (قاضی کو فیصلے صادر کرنے کے حقوق واختیار) حاصل ہو جائے گی، اس لئے کہ رتبہ میں زیادتی شرائط کمال میں معتبر نہیں ہے۔

## حنابلہ کی رائے:

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ افضل کے موجود ہونے کے باوجود ادنی کو قاضی بنانا درست ہے، اس لئے کہ مقام کے اعتبار سے اونچے درجہ کے صحابی موجود ہونے کے باوجود ان سے کم درجہ کے صحابی کو قاضی بنایا گیا ہے، اور یہ بات مشہور بھی ہے، اور ایسا بار بار ہوا ہے، مگر اس پر کسی نے نکیر نہیں کی، بعض حنابلہ نے تولیت کی صحت کو 'جب کوئی مصلحت پیش نظر ہو' کے ساتھ مقید کیا رکھنے کی بھی قید لگائی ہے۔

ہمیں اس سلسلہ میں حنفیہ کے یہاں کوئی واضح بات نہیں ملی، لیکن مذہب کے مقتضی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی افضل کی موجودگی میں مفضول کی تولیت کی صحت کی اجازت دیتے ہیں، اس لئے کہ وہ کسی عامی شخص کے بھی قاضی بننے کو جائز قرار دیتے ہیں، اسی طرح فاسق کو قاضی بنانا بھی ان کے یہاں جائز ہے (۵۰)۔

## مسئلہ: عورت کو قضا کی ذمہ داری سونپنے کا حکم:

اس سے پہلے بھی جمہور فقہاء کے بیان کردہ شرائط کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ قاضی مرد ہونا چاہئے، جمہور نے عورت کو قاضی بنائے جانے کے عدم جواز پر رسول

کریم ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا ہے:

"لن یفلح قوم ولّوا أمرھم امرأة" (۵۱)۔ (وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جو اپنے معاملات کا امیر اور ذمہ دار کسی عورت کو بنائے)۔

اس لئے کہ قاضی کو خصوم (مدعی اور مدعا علیہ) اور مردوں کی محفلوں میں بھی حاضر ہونا ہوتا ہے، اور قضا کے معاملہ میں غایت درجہ رائے میں کمال تک رسائی حاصل کرنا بھی درکار ہے، اور علماء سے مشورہ کی ضرورت بھی پڑتی ہے، اور خواتین اس کی اہل نہیں ہیں (یعنی خواتین کے لئے شرعاً یہ جائز نہیں ہے کہ وہ غیر محارم کے ساتھ اختلاط کرے، اسی طرح خواتین اپنی ہزار ذہانت وفطانت کے بہرحال مردوں کے مقابلے کم درجے کی ہیں، اور یہ فطری معاملہ ہے)، اسی لئے تو اللہ تعالی نے اپنے ارشاد میں عورتوں کے لئے اس بات کی خبر دی ہے کہ:

"أن تضل إحداھما فتذکر إحداھما الأخری" (۵۲)۔

(تا کہ ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے)۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردان فرماتے ہیں کہ خواتین کو ان امور میں قاضی بنانا درست ہے جن میں ان کی گواہی تنہا یا مردوں کے ساتھ قبول کی جاتی ہے، اس لئے کہ شہادت میں بھی ایک گونا ولایت اور اہلیت کا معنی پایا جاتا ہے، البتہ حدود وقصاص کے معاملات کے لئے قاضی بنانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ان میں خواتین کی شہادت قبول نہیں کی جاتی، اور ابن جریر طبری (۵۳) کی رائے یہ ہے کہ عورت کو مطلقاً قاضی بنانا جائز ہے، خواہ کسی بھی معاملہ کے لئے ہو، اور انہوں نے اس کی علت یہ بتائی ہے کہ جب عورتوں کا فتوی دینا جائز ہے تو قاضی بننا کیوں جائز نہیں ہوگا (۵۴)۔ اور بعض شافعیہ کا خیال ہے کہ اگر خلیفہ نے کسی مقتدر خاتون کو قاضی بنادیا تو اس کے فیصلے نافذ ہوں گے (۵۵)۔

## مسئلہ: فاسق کو قاضی بنانے کا حکم:

جس شخص کو اس ذمہ داری کے لئے چنا جائے اس کے اندر عدالت کے پائے

جانے کوایک شرط طور پر جمہور فقہاء نے ذکر کیا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے اس کی تفصیل گذری، مثلاً: یہ کہ وہ شخص اپنی گفتگو اور زبان کا سچا ہو، ظاہری طور پر امانت دار ہو، محارم سے بچتا ہو، گناہوں سے پرہیز کرتا ہو، شک وشبہ اور محل تہمت سے دور رہتا ہو، نارمل اور غصہ کی حالت میں سنجیدہ رہتا ہو، اسی وجہ سے جمہور علماء فاسق کو قاضی بنانے کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور اس شخص کو بھی جس کے اندر ایسا نقص ہو جس کی وجہ سے شہادت سے روک دیا گیا ہو، ان حضرات جمہور نے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

"یأیھا الذین آمنوا إذا جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا" (۵۶)۔

(اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق وفاجر کوئی خبر لے کر آئے تو اچھے طریقے سے اس کی چھان بین کرلو)۔

لہذا جب فاسق کی بات کی تحقیق اور چھان بین کا حکم دیا گیا ہے، تو قاضی ایسا نہیں ہونا چاہئے، جس کی بات ہی قابل قبول نہ ہو، اور اس کے فیصلے کی چھان بین اور تحقیق ضروری ہو، اس لئے جب فاسق کو گواہ بنانا جائز نہیں تو قاضی بنانا بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا۔

قاضی عیاض (۵۷) فرماتے ہیں کہ فاسق کے متعلق ہمارے اصحاب (شوافع) کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ اگر کوئی فیصلہ کردے تو اس کے فیصلہ کو رد کردیا جائے گا یا باقی رکھا جائے گا، اگرچہ وہ حق کے موافق اور درست ہی کیوں نہ ہو۔

امام نووی (۵۸) فرماتے ہیں کہ ہر وہ صاحب حیثیت شخص جسے سلطان قاضی مقرر کردے، خواہ وہ جاہل ہو یا فاسق اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، ورنہ تو لوگوں کے مصالح ہی چوپٹ ہو کر رہ جائیں گے، حنفیہ بھی اسی طرف گئے ہیں اور ان کے یہاں بھی اصل یہی ہے کہ فاسق کو بھی قاضی مقرر کرنا جائز ہے، اس لئے کہ حنفیہ کے یہاں وہ شہادت کا اہل ہے، لہذا قضاء کا بھی اہل ہوگا، البتہ ایسا کرنا مناسب نہیں ہے، اور فاسق کو قاضی بنانے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ ہر وہ صاحب دبدبہ اور ذی حیثیت آدمی جسے خلیفہ

قاضی مقرر کردے اگرچہ وہ جاہل اور فاسق ہی کیوں نہ ہو، اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، یہی حنفیہ کا ظاہر مذہب ہے، اس صورت میں وہ شخص کسی مفتی سے فتوی پوچھ کر اس کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

ابن ہمام (۵۹) کہتے ہیں کہ بعض مشائخ کا خیال یہ ہے کہ فاسق کو قاضی مقرر کرنا ابتداءاً درست ہے، اور اگر کسی شخص کو جس وقت قاضی بنایا گیا تھا اس وقت عادل تھا اور اس میں بعد میں کوئی فسق کی چیز پائی گئی تو وہ فسق کی وجہ سے معزول ہوجائے گا، اس لئے کہ قاضی مقرر کرنے والے نے اس کی عدالت پر بھروسہ کرکے مقرر کیا تھا، اور بغیر عدالت کے اسے قاضی بنانے پر رضامندی نہیں دی تھی، اور فسق کی وجہ سے اب وہ وجہ رضامندی باقی نہیں رہی۔ خصاف نے اس کی صراحت کی ہے کہ عدالت کسی کو ترجیح دیئے جانے کی شرط ہے، لہذا اولی یہی ہے کہ وہ عادل ہو، لیکن اگر فاسق کو قاضی مقرر کر ہی دیا گیا تو اب اس کا فیصلہ نافذ ہوگا (۶۰)۔

## مسئلہ: کافر کو قاضی بنانے کا حکم:

اسلام کو شرائط تولیت قضاء میں سے ایک اہم شرط کے طور پر فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ جس شخص کو قاضی بنایا جائے اس کا مسلمان ہونا شرط ہے، لہذا کسی کافر کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے:

"ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً" (۶۱)۔

(اللہ تعالی کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز راہ نہیں دے گا)۔

خواہ اس کا قاضی بنانا مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ہو، یا ان کے اپنے مذہب والوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لئے ہو، البتہ امام ابوحنیفہ نے ان کے اپنے مذہب والوں کے فیصلے کے لئے کافر کو قاضی بنانے کی اجازت دی ہے، بعض اہل ذمہ کے بعض کے حق میں گواہ بننے کے جائز ہونے کی وجہ سے، اور اس لئے بھی کہ جب ان کے آپس میں نکاح کرانے کی ولایت کی اجازت ہے تو ان کے احکام میں فیصلے کرنے کی بھی اجازت

ہوگی، ان کے قاضی بنائے جانے کے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے، امام شربینی (۶۲) فرماتے ہیں کہ جہاں تک اہل ذمہ کے اہل ذمہ ہی کے لئے قاضی بنائے جانے کے جاری عرف کی بات ہے تو ماوردی اور رویانی (۶۳) کہتے ہیں کہ اس سے مراد قاضی اور صاحب فیصلہ بنانا مقصود نہیں ہے، بلکہ اقتدار اعلی مراد ہے، اس لئے ان کا کوئی بھی فیصلہ نہ تو لازم کرنے سے لوگوں کے لئے لازم ہوگا اور نہ ہی خود اپنے اوپر لازم کرنے سے لازم ہوگا، اور نہ ہی لوگوں پر یہ لازم ہوگا کہ ان کے پاس فیصلے کے لئے اپنے مقدمات لے جائیں (۶۴)۔

## چہارم : آداب القاضی (قاضی کی اخلاقیات):

قاضی کے آداب یہ ہیں کہ اس کے ذمہ جو چیز واجب ہے اس کا اہتمام والتزام کرے، یا جو اس کے لئے سنت قرار دی گئی ہے، اس کو اختیار کرے، یا آداب قضاء کے وہ امور اور قواعد جو قضاء کے معاملات کو منضبط کرتے ہوں ان کو بروئے کار لائے، قاضی ہمیشہ اپنے آپ کو ظلم وجور اور کسی طرف جھکاؤ اور لچک سے بچائے، عدل قائم کرنے اور ظلم کو رفع کرنے کی ہدایت کرے، اور تہمت وشبہات کی جگہوں سے ہمیشہ کنارہ کشی اختیار کرے۔

لہذا قاضی کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ قوی ہو، لیکن ظلم نہ کرے، نرم خو ہو، مگر فیصلے میں کمزور نہ ہو کہ دب جائے، بایں طور کہ قوی اور طاقت ور شخص باطل امور میں ان سے کوئی غلط کام کروانے یا باطل فیصلے لینے کی امید نہ کر سکے، اس کے انصاف سے ضعیف اور کمزور مایوس نہ ہوں، حلیم الطبع اور مزاجاً سنجیدہ ہو، ذہین اور بیدار مغز ہو، غفلت برتنے والا نہ ہو، ناسمجھی اور بھولے پن کی وجہ سے دھوکہ نہ کھا جائے، قوت سماع اور آنکھ کی بینائی بالکل صحیح سالم ہو، جس کمیونٹی کے لئے قاضی بنایا گیا ہے، اس کی زبان سے اچھی طرح واقف ہو، پاکدامن، متقی، نامناسب چیزوں سے مبرّا ہو، لالچ اور حرص سے بالکل دور ہو، گفتگو میں سچا ہو، صاحب رائے اور صاحب مشورہ ہو، سخت گیر اور ہٹ دھرم نہ ہو، دلائل والوں کے دلائل کو اپنی دلیل سے کاٹنے کی

صلاحیت رکھتا ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ کوئی شخص قاضی بن جائے اور اس میں پانچ خصلتیں موجود نہ ہوں، یعنی پاکدامن ہونا، بردبار ہونا، اپنے سے پہلے والوں کے حالات واقوال اور آراء کو جاننے والا ہونا، عقلمندوں سے مشورہ کا عادی ہونا، اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کرنے والا ہونا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ قاضی بن جائے اور اس میں پانچ خصلتیں نہ ہوں، اگر ان میں سے ایک نہ ہو تو ایک دھبہ لگتا ہے اور جب دو نہ ہوں تو دو دھبے لگتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے ماقبل والوں کو جان لے، اہل رائے سے مشورہ کرے، ہر قسم کی لالچ سے منزہ اور مبرّا ہو، خصم کے معاملہ میں بردبار ہو، اللہ کے معاملہ میں لوگوں کی تنقید اور ملامت کو گوارا اور برداشت کرنے والا ہو (٦٥)۔

البتہ قضاء کے آداب بہت ہیں، اور اس میں وہ بھی ہیں جو نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین سے منقول ہیں، انہیں میں سے: حضرت عمر بن الخطابؓ کا حضرت ابوموسی اشعری کے نام خط (٦٦) جب ان کو حضرت عمرؓ نے قاضی مقرر کیا، ابن قیم جوزیہ (٦٧) نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں پورا خط تفصیل سے نقل کیا ہے (٦٨):

**''إن القضاء فريضة محكمة، وسنة متبعة، فافهم إذا أدلي إليك، فإنه لا ينفع تكلم بحق لا نفاذ له، وآس بين الناس في وجهك ومجلسك وقضائك حتى لا يطمع شريف في حيفك، ولا ييأس ضعيف من عدلك، حتى البينة على المدعى واليمين على من أنكر، والصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحاً أحل حراماً وحرم حلالاً، ومن ادعى حقاً غائباً أو بينة فاضرب له أمداً ينتهي إليه، فإن بيّنته أعطيته بحقه، وإن أعجزه ذلك، استحللت عليه القضية، فإن ذلك هو أبلغ في العذر وأجلى للعماء (٦٩)۔ ولا يمنعك قضاء قضيت فيه اليوم فراجعت فيه رأيك، فهديت فيه**

لرشدک أن تراجع فيه الحق، فإن الحق قديم لا يبطله شيئ، ومراجعة الحق خير من التمادى فى الباطل، والمسلمون عدول بعضهم على بعض إلا مجلود فى حد، أو مجرب عليه شهادة زور، أو ظنين (۷۰) فى ولاء أو قرابة، فإن الله تعالى تولى من العباد السرائر، وستر عليهم الحدود إلا بالبينات والأيمان، ثم الفهم الفهم فيما أدلى إليک مما ورد عليک مما ليس فى قرآن ولا سنة، ثم قايس الأمور عند ذلک، واعرف الأمثال، ثم اعمد إلى أحسبها إلى الله (تعالى) فيما ترى، واشبهها بالحق، وإياک والغضب والقلق والضجر، والتأذى بالناس والتنكر عند الخصومة (أو الخصوم) (۷۱) فإن القضاء فى مواطن الحق يوجب الله به الأجر ويحسن به الذكر، فمن خلصت نيته فى الحق - ولو كان على نفسه - كفاه الله ما بينه وبين الناس، ومن تزين بما ليس فى نفسه شأنه الله، فإن الله تبارک وتعالى لا يقبل من العباد إلا ما كان خالصاً، فما ظنک بثواب عند الله فى عاجل رزقه وخزائن رحمته"۔

(نظام قضاء کا قیام ایک ثابت شدہ اور محکم فریضہ ہے، جس کی اتباع کی گئی اور کی جانے والی سنت ہے، لہذا دھیان میں رکھو، جب تمہاری طرف کوئی معاملہ لایا جائے، تو کسی کے حق میں تمہاری کہی ہوئی کوئی بات اس وقت تک تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی جب تک اس کا نفاذ نہ ہو، لوگوں کے درمیان اپنی توجہ میں، اپنی مجلس میں اور اپنے فیصلے میں برابری قائم رکھو، تا کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی بااثر آدمی تمہارے بارے میں یہ لالچ دل میں بٹھالے کے وہ تم سے کوئی غلط فیصلہ بھی کرا سکتا ہے، اور تمہارے انصاف سے کوئی کمزور مایوس نہ ہو کہ اسے انصاف نہیں ملے گا، جو شخص مدعی ہے اس کے ذمہ دلیل فراہم کرنا ہے، اور جو مدعی علیہ ہے، اس کے ذمہ قسم ہے، مسلمان کے درمیان ہر طرح کی صلح جائز ہے، سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے والی ہو، کوئی شخص اپنے کسی حق کے بارے میں دعوی دائر کرے اور کہے کہ میرے پاس اس کی تائید میں ثبوت موجود ہے، مگر میں اس وقت پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں

ہوں، تو تم اس کو اتنا موقع دو کہ وہ اسے پیش کر سکے، اگر صحیح صحیح بینہ پیش کر دے تو اس کا حق اس کو دیدو اور اگر اس سے عاجز رہ جائے تو اسی کے خلاف فیصلہ دینا تمہارے لئے جائز ہوگا، اس لئے کہ ایسا کرنے سے اسے کوئی عذر پیش کرنے کی بھی گنجائش باقی نہیں رہ جائے گی، اور اس کی بے بصیرتی بھی آشکار ہو جائے گی، تمہارا کوئی بھی فیصلہ جو تم نے آج کیا ہے، اور تم نے کل اس میں دوبارہ غور وفکر کیا، اور تمہیں حق تک رسائی بھی مل گئی، تو محض یہ خیال کہ تم نے کل دوسرا فیصلہ کیا تھا تمہیں اس کی طرف رجوع سے کوئی چیز نہ روکے، بلکہ بلا کسی تردد اور احساس شرمندگی کہ حق کی طرف رجوع کرلو، اس لئے کہ حق ہی اصل اور ایک ثابت شدہ امر ہے، اس کو کوئی چیز باطل نہیں کرسکتی، اور حق کی طرف رجوع کرنا باطل پر اڑے رہنے سے بہتر ہے، سارے مسلمان ایک دوسرے کے حق میں عادل ہیں، اور سب کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی معتبر اور مقبول ہے، سوائے اس شخص کے جس کو حد میں کوڑا لگایا گیا ہو، یا جس پر جھوٹی گواہی کا تجربہ کیا گیا ہو، یا کسی تعلق اور رشتہ داری کی وجہ سے گواہی میں جانب داری برتنے کی بدگمانی کی جارہی ہو، اس لئے کہ اللہ تعالی نے گواہی کے معاملہ میں اپنے بندوں کی پوشیدہ باتوں کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی ہے، اور حد جاری ہونے سے اپنے بندوں کو محفوظ رکھا ہے، سوائے اس کے کہ اس پر دلائل اور قسم کے ذریعہ حد ثابت ہو جائے، پھر دانشمندی اور فہم وفراست اور اجتہاد سے تمہیں ان معاملات میں کام لینا ہے جو تمہاری طرف لایا جائے اور ان میں کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہ ملے اس کے بعد قرآن کے اصول ونظائر پر ان میں قیاس سے کام لو، مثالوں کو اچھی طرح سمجھو، پھر اس پر اعتماد کرو جو اللہ کے لئے پسندیدہ ہو جو تم نے غور وخوض سے نکالا ہے، اور حق کے زیادہ قریب ہو، یاد رکھو ہمیشہ غصہ، قلق (اکتاہٹ)، ترک مزاجی اور پریشانی سے خود کو بچاؤ، لوگوں کی مقدمہ بازی سے تکلیف اور دل برداشتگی میں مبتلا ہونے سے بچو، خصم کے پاس ناروا رویہ اختیار مت کرو، اس لئے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں تمہیں حق کا فیصلہ اور انصاف قائم کرنا ہے، جس پر اللہ تعالی اجر مقرر کرتا ہے اور اس کے ذریعہ نیک

نامی ہوتی ہے، لہذا حق کے معاملہ میں جس کی نیت خالص ہوگی، اگرچہ اپنی ذات کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو، اللہ اس کے لئے اس کے اور لوگوں کے درمیان کافی ہوگا، اور جو شخص اپنے آپ کو ان چیزوں سے مزین کرے گا جو اس کے اندر نہیں ہے، جس سے اللہ خوب واقف ہے تو اللہ تعالی اپنے بندوں کے ان اعمال کو قبول نہیں کرتا جو خالص اس کے لئے نہ ہو، تو تمہارا کیا خیال ہے اللہ کے پاس اس اجر وثواب کے بارے میں جو اپنی رحمت کے خزانہ سے رحمت اور جلد از جلد رزق کا بدلہ عطا کرنے والا ہے) (۷۲)۔

فقہاء کے درمیان اس معاملہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قاضی کے لئے یہ بالکل مناسب نہیں ہے کہ وہ غصہ کی حالت میں فیصلہ کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

**"لایحکم أحد بین اثنین وھو غضبان" (۷۳)**

(کوئی شخص دو آدمی کے درمیان غصہ کی حالت میں ہرگز کوئی فیصلہ نہ کرے)۔

اور غصہ ہی کے مفہوم میں یہ بھی ہے کہ اس کا دھیان سخت بھوک اور پیاس کی شدت میں الجھا ہوا ہو، یا سخت تکلیف اور درد میں مبتلا ہو، یا اس کا شعور نیند، غم اور بے پناہ مسرت وانبساط میں ہو، یہ وہ امور ہیں جو انسان کے دل ودماغ کو حاضر رہنے سے روکتے ہیں اور وہ فکر جس کے ذریعہ حق تک انسان رسائی حاصل کرتا ہے اس کی یافت سے اکثر محروم رہتا ہے، یہ تمام امور غیض وغضب کے ان معانی اور مفاہیم میں موجود ہیں جو منصوص ہیں اور لوگوں میں پائے جاتے ہیں (انسان کی فطرت ہے کہ بھوک وپیاس کی شدت میں عام طور سے غصہ میں مبتلا ہوجاتا ہے، اس لئے روزہ کی حالت میں بار بار صبر کی تلقین کی گئی ہے—مترجم)، البتہ اگر حق اس کے سامنے ظاہر ہوگیا اور حکم بھی واضح ہوگیا، پھر اسے غصہ کی کیفیت طاری ہوئی تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہ کیفیت اس کو فیصلے سے نہیں روکے گی، اس لئے کہ حق اس کے نزدیک غصہ سے پہلے ہی ظاہر ہوچکا تھا، اس لئے غصہ اس معاملہ میں مؤثر نہیں ہوگا، حنفیہ نے ان امور کی آداب قضاء میں صراحت کی ہے، البتہ شافعیہ اور یہی رائے مالکیہ کی بھی ہے کہ قاضی جب

مذکورہ حالتوں سے دوچار ہوتو فیصلہ کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، جبکہ حنابلہ فیصلے کی حرمت کے قائل ہیں، اور یہی ایک قول مالکیہ کا بھی ہے۔

جب قاضی کو ان حالات میں سے کوئی حالت پیش آجائے اور وہ قضاء کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہوتو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ قضاء کی کارروائی روک دے، اور اس کام سے صرف نظر کرتے ہوئے مجلس برخواست کردے (۷۴)۔

## پنجم: قاضی کے اختیارات اور اس کی خصوصیات:

حاکم اعلی کو اختیار ہے کہ وہ تمام کاموں میں عمومی بایں طور کہ تمام شہروں کے لئے اور جملہ امور میں فیصلے کے اختیارات کے ساتھ قاضی کا تقرر کرے، اور حاکم اعلی کو اس کا بھی اختیار ہے کہ وہ مخصوص کاموں میں عمومی فیصلے کے اختیارات کے ساتھ قاضی مقرر کرے، اور کسی کو ایک ہی شہر کے جملہ امور میں فیصلہ کا اختیار سپرد کرے، لہذا اس کا فیصلہ اس شہر کے لوگوں پر بھی نافذ ہوگا، اور ان لوگوں کے حق میں بھی نافذ ہوگا جو اس شہر کے علاوہ سے اس قاضی کے پاس اپنا مقدمہ لے کر آئیں۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ تمام معاملات میں مخصوص فیصلے کے لئے قاضی مقرر کرے، مثلاً یوں کہے: میں نے اپنی مملکت کے مخصوص شہری معاملات کے فیصلے کے لئے آپ کو قاضی بنایا، یا اس کو مال کے ایک مخصوص مقدار میں فیصلہ کا حق دے، مثلاً یوں کہے: آپ سو یا اس سے کم مالی معاملہ میں فیصلہ کریں، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ کسی مخصوص کام کے مخصوص معاملہ میں فیصلے کے لئے قاضی مقرر کرے، مثلاً یہ کہ ایک شہر کے یا شہر کے ایک حصہ کے نکاح کے معاملات میں فیصلے کے لئے قاضی مقرر کرنا (۷۵)۔

## عمومی ولایت :(اختیارات):

اگر کسی قاضی کو تمام معاملات میں عمومی فیصلے کا اختیار حاصل ہوتو اس کے فیصلے کے

دائرے میں مندرجہ ذیل دس معاملات آئیں گے:

۱— آپسی جھگڑوں کا تصفیہ، اختلافات کو ختم کرنا، خواہ آپس میں رضامندی سے صلح کرا کر ہو، یا اپنے فیصلہ کن حکم کے ذریعہ ہو۔

۲— حقوق دینے سے انکار کرنے والوں سے حق وصول کرانا اور استحقاق ثابت ہونے پر مستحقین تک ان کو پہنچانا۔

۳— قاضی کے لئے ان لوگوں پر ولایت کا حاصل ہونا جو تصرف سے عاجز ہوں، جیسے مجنون، یا بچہ، یا جس کی کم عقلی یا قلاش (دیوالیہ) پن کی وجہ سے تصرف پر پابندی ہو، مستحقین کے اموال کے تحفظ کے پیش نظر۔

۴— اس کے اصول وضوابط کے تحفظ کے ساتھ اوقاف کی نگرانی، اور ان کے تمام شعبہ جات کو ترقی دینا، ان کی جملہ آمدنیوں کو اپنی نگرانی میں لینا، اور ان کے مصارف پر خرچ کرنا، اور اگر اس کا کوئی نگراں اور متولی ہو تو اس کی رعایت کرنا، اور نہ ہو تو نگراں بحال کرنا۔

۵— وصیت کرنے والوں کی شرائط اور شریعت نے جن چیزوں کو اس باب میں مباح قرار دیا ہے ان کی روشنی میں وصیت کو نافذ کرنا، اگر معین اشخاص کے لئے وصیت ہو تو ان کے درمیان دستاویزات کی روشنی میں ان کو قبضہ دلا کر نافذ کرنا، اور اگر غیر معین اشخاص کے لئے ہو تو اپنے اجتہاد سے متعین اور نافذ کرنا۔

۶— غیر شادی شدہ (ایامی) (۷۶) کا ان کے کفو میں شادی کرانا، اگر ان کے اولیاء موجود نہ ہوں۔

۷— جن لوگوں پر حد واجب ہے ان پر حدود قائم کرنا، اگر ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو تو بغیر اس کے مطالبہ کے تنہا اسے وصول کرنا، اگر بینہ اور اقرار سے ثابت ہو جائے اور اگر حقوق العباد سے اس کا تعلق ہو تو اس کے مستحق کے مطالبہ تک توقف کرنا۔

۸— اپنے دائرے کار کے مصالح کی نگرانی، راستوں اور شہر کے مضافاتی علاقوں میں

ہونے والے ظلم وتعدی اور زیادتیوں کو روکنا، مثلاً مکانات کی چھجیاں نکالنے والے، یا اپنے مکان کی حدوں کو آگے بڑھانے والوں کو اس سے روکنا، اس معاملہ میں قاضی کو اس کا بھی اختیار ہے کہ اگر دوسرا فریق حاضر نہ ہو، تو بھی ایک فریق کی درخواست پر اس پر کاروائی کرے اور دیکھے۔

۹۔خصم کے گواہان اور نگراں کو یکجا کرنا جو حاضر نہ ہوں ان کے نائبین کا ان کی طرف سے انتخاب اور تقرر کرنا۔

۱۰۔فیصلے میں کمزور اور طاقتور، بااثر اور غیر بااثر کے درمیان برابری کا معاملہ کرنا، کسی بھی حال میں فیصلوں میں اپنی خواہش کی پیروی نہ کرنا (۷۷)۔

## ولایت خاصہ (خصوصی/محدود اختیارات):

قاضی کو اگر مخصوص اختیارات دیئے جائیں تو ان کا دائرہ عمل انہیں تک محدود رہے گا، مثلاً کسی شخص کو مذکورہ احکام کے بعض امور میں فیصلے کا اختیار دیا گیا، یا اس کو صرف اقرار کی بنیاد پر فیصلے کا اختیار دیا گیا، بینہ کی بنیاد پر نہیں، یا صرف دین اور قرض کے معاملہ میں، نکاح کے معاملہ میں نہیں، یا مال کی ایک خاص مقدار میں فیصلے کا اختیار دیا گیا تو اس حد تک بھی چونکہ کسی شخص کا قاضی مقرر کرنا درست ہے، لہذا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ اس سے تجاوز کرے، اس لئے کہ یہ ولایت اور اختیارات کا معاملہ ہے، یہ عمومی حیثیت میں بھی درست ہے، اور خصوصی مثلاً وکالہ، یہ بھی درست ہے، اور اس کی روشنی میں قضاء مقید اور قضاء معلق اور مخصوص زمانہ، مخصوص جگہ اور مخصوص خصم کے لئے بھی قاضی مقرر کرنا درست ہے، لہذا اگر حاکم اعلی اور ولی امر نے کسی قاضی کو مدعی کے انکار کی صورت میں پندرہ سال کے بعد دعوی کی سماعت سے منع کر دیا تو وہ اب پندرہ سال گذرنے کے بعد اس دعوی کی سماعت نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود اس نے اس کی سماعت کی اور فیصلہ دیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا، اور اگر قاضی کے اختیارات کو دو شخص کے درمیان فیصلے پر محدود کر دیا تو اس کی ولایت اس شخص پر اس وقت تک

باقی رہے گی جب تک اختلاف باقی ہو، اور اگر فیصلہ صادر کر دیا تو اس کی ولایت اور اختیار ختم ہوجائے گا(۷۸)۔

اسی طرح قاضی کے عمل کو ایک دن، یا ہفتہ میں چند دنوں کے لئے محدود کر دینا بھی جائز ہے، مثلاً کسی قاضی کے لئے یہ محدود کر دیا جائے کہ مثلاً خاص سنیچر کے دن کے لئے کسی کو قاضی بنایا جائے تو تمام خصم کے مقدمات کو صرف سنیچر کے دن ہی دیکھنا اور ہینڈل کرنا جائز ہوگا، اگر سنیچر کا دن نکل گیا اور سماعت پوری نہیں ہوئی تو اس کی ولایت اس کے مثل دنوں تک باقی رہے گی، اگرچہ ان مقدمات کے علاوہ کی کاروائی اس کے لئے ممنوع ہو(۷۹)۔

## ششم: قاضی کے فیصلہ کی تنفیذ اور اس کے ذرائع:

قاضی کے فیصلوں کی اگر تنفیذ نہ ہو تو قضاء کی نہ کوئی قیمت ہے اور نہ حیثیت، کیونکہ فیصلہ کی قیمت تو اس کے نفاذ ہی سے ہوتی ہے، لہذا وہ قاضی جس کے فیصلے نافذ نہ ہوں تو اس کی نہ کوئی قیمت ہے اور نہ حیثیت ومنزلت، تو پھر قاضی کے احترام اور حیثیت ہی کی کیا وقعت رہ جائے گی؟ اسی وجہ سے ہم پاتے ہیں کہ علماء نے احکام کے نفاذ کی عظمت وقدسیت کی داد دی ہے اور اسے حق اور فریضہ قرار دیا ہے، بلکہ علماء نے اس حکومت کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے جو احکام کا نفاذ نہ کر سکے اور اسے بے حیثیت گردانا ہے۔

قاضی کے فیصلوں کا نفاذ کبھی تو خود قاضی کی ذات سے ہوتا ہے، یا اس شخص کے واسطے سے ہوتا ہے جسے حاکم اعلی متعین کرتا ہے، اس لئے قاضی اگر کوئی فیصلہ کرے تو سب سے پہلے وہ خود نافذ کرے، اگر وہ اس کی استطاعت رکھتا ہو۔

لہذا قاضی نے اگر زمین، یا جانور یا کسی سامان کا کوئی فیصلہ کسی کے بارے میں کرتا ہے تو اس کا استحقاق ثابت کرتے ہوئے محکوم علیہ (جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا ہے) کو پابند کرے کہ وہ مستحق کے حوالہ کرے اور قاضی از خود اس سے لے کر محکوم لہ (جس کے حق میں فیصلہ

کیا گیا ہے ) کے سپرد کرے، اگر یہ ممکن ہو، جیسے محکوم بہ ( جس چیز کا فیصلہ کیا ہے ) اگر زمین اور پراپرٹی ہو، جو ظاہر و مشہور ہو اور اگر محکوم بہ قصاص ہو تو مقتول کے ولی کو اسے حاصل کروائے اگر قاضی کے بس میں ہو اور اس پر قادر ہو، اور اگر قصاص کی وصولی پر قادر نہ ہو تو قاضی اپنے علاوہ دوسرے کو وکیل بننے کا حکم دے، جو اس کی طرف سے اسے وصول کرے، جہاں تک دوسری سزاؤں کی بات ہے تو فقہاء کہتے ہیں کہ حد صرف حاکم اعلی ہی قائم کرسکتا ہے، یا پھر جس کو حد قائم کرنے کی ذمہ داری حاکم اعلی سپرد کرے، اس لئے کہ عہد رسالت میں کوئی بھی حد آپ ﷺ کے حکم کے بغیر قائم نہیں ہوئی، اور نہ خلفاء راشدین کے زمانے میں ان کی اجازت کے بغیر ایسا ہوا، اس لئے کہ حقوق اللہ غور وفکر اور اجتہاد کے متقاضی ہوتے ہیں، اور اس کے پورا کرنے میں انسان ظلم سے مامون نہیں رہتا، اس لئے بغیر حاکم اعلی اور امام کے حکم کے حدود کا قیام جائز نہیں ہے، کبھی کبھی قاضی اپنے حکم کا نفاذ دوسرے قاضی کے پاس خط کے ذریعہ بھی کرتا ہے۔

اور ولی امر کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ احکام کو نافذ کرنے کے لئے دو ہی مخصوص قاضی متعین کرے، جو اس ذمہ داری کو ادا کریں، اور دوسرے قضاۃ اس میں شریک نہ ہوں۔

قاضی کے لئے بھی محکوم علیہ پر اپنا فیصلہ نافذ کرنے کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً :

- مدیون کو سفر سے اس وقت تک روکنا، جب تک دین ادا نہ کردے۔
- اسے قید کرنا جب تک دین ادا نہ کرے۔
- اس کے مال میں تصرف سے اسے روک دینا۔
- اگر دین ادا کرنے سے گریز کرے تو اس کے مال کو فروخت کرنا۔

فصل دوم:

# افتاء

## اول: افتاء کی تعریف:

فتوی، لغت میں اسم مصدر ہے، جس کا معنی ''افتاء'' (فتوی دینا) ہے، اس کی جمع: فتاوی، اور فتاوی ہے، جب کسی کے سوال کا جواب دیا جائے تو اس وقت بولا جاتا ہے : ''أفتيته فتوى، وفتيا'' میں نے اس کو فتوی دیا، ''فتیا'': احکام ومسائل کے مشکل ترین اور پیچیدہ حکم کو بیان کرنے کا نام ''فتیا'' ہے، کہا جاتا ہے :''تفاتوا إلى فلان'' فتوی کے معاملہ میں انہیں کو اپنا فیصل بناؤ اور انہیں کے پاس اپنا معاملہ لے جاؤ۔

''التفاتی'' باہم ایک دوسرے کو خصم بنانا، جب خواب کی تعبیر بتائی جائے تو کہا جاتا ہے :''أفتيت فلاناً رؤيا رآها'' میں نے اس کے خواب کا فتوی دیا جو اس نے دیکھا تھا، (تعبیر بتائی) (۸۰)، اسی قبیل سے اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:''يا أيها الملأ أفتوني في رؤياي'' (۸۱) (اے میرے دربار میں رہنے والو میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ)۔

''استفتاء'' لغت میں کسی مشکل سوال کا جواب طلب کرنے کو کہتے ہیں، اسی قبیل سے اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے :''ولا تستفت فيهم منهم أحداً'' (۸۲) (اور ان میں سے کسی سے بھی ان کے بارے میں پوچھ گچھ بھی نہ کریں) اور کبھی کبھی صرف سوال کرنے کے معنی میں استفتاء بولا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالی کا یہ قول ہے:

''فاستفتهم أهم أشد خلقاً أم من خلقنا'' (۸۳) (تو ان کافروں سے پوچھو تو کہ

آیاان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے، یا جنہیں ہم نے ان کے علاوہ پیدا کیا ہے )۔
مفسرین کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے : ''ان سے دریافت کرلو'' (۸۴)۔

## فتوی کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں ''فتوی'' : ''جس شخص سے حکم شرعی دریافت کیا جائے اس کی طرف سے اسے دلائل کی روشنی میں واضح کرنے کا نام ہے'' (۸۵)، اور 'فتوی' کا یہ لفظ اس سوال کے جواب کو بھی شامل ہے جو اس وقت درپیش ہے، اور اس کے علاوہ کے بھی جو درپیش نہیں ہے۔
''مفتی'' لغت میں اسم فاعل ہے ''أفتی'' کا، جو شخص زندگی میں ایک بار بھی فتوی دیدے وہ مفتی ہے، لیکن شرعی عرف میں اس کا معنی اس سے خاص ہے۔
صیرفی (۸۶) کہتے ہیں کہ یہ اسم اس شخص کے لئے وضع کیا گیا ہے جس کو لوگوں کے دینی معاملات کے لئے متعین کیا گیا ہو، اور وہ قرآن کریم کے عمومی اجمالی اور متعین احکام کا علم رکھتا ہو اور ساتھ ہی ناسخ ومنسوخ سے بھی واقف ہو، اسی طرح وہ سنت رسول سے آشنا اور استنباط احکام سے واقفیت رکھتا ہو، اس لفظ کو اس شخص کے لئے وضع نہیں کیا گیا ہے جو کوئی ایک آدھ مسئلے جانتا اور اس کی حقیقت تک اس کی رسائی ہو، اس لئے جو شخص اس مقام پر فائز ہو اسی کو اس نام سے موسوم کیا جائے اور جو اس مقام کا مستحق ہو اس سے جس چیز کے بارے میں فتوی دریافت کیا جائے وہ فتوی صادر کرے (۸۷)۔
امام زرکشی (۸۸) کہتے ہیں کہ مفتی وہ ہوتا ہے جو تمام احکام شرعیہ کا عالم ہو، اس طرح کہ ان سے عملی اعتبار سے قریب ہو، اور یہ بات اس وقت ہے جب ہم تجزئ اجتہاد کے نہ ہونے کی بات کہیں (۸۹–۹۰)۔

## دوم: مفتی کی صفات:

مفتی کے لئے آزاد اور مرد ہونے، نیز صاحب نطق ہونے کی شرط نہیں ہے، لہذا

غلام، عورت، گونگے شخص کا بھی فتوی دینا درست ہے، اسی طرح کتابت اور قابل فہم اشارہ سے بھی فتوی دینا درست ہے(۹۱)۔

اور جہاں تک سامع ہونے کی بات ہے، تو بعض حنفیہ کا خیال ہے کہ سامع ہونا شرط ہے، لہذا بہرے شخص کا فتوی دینا درست نہیں ہے، اس سے مراد ایسا شخص ہے جو بالکل کسی کی بات سن ہی نہ سکے۔

ابن عابدین کی رائے یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بہرے شخص کو سوال لکھ کر دیا جائے اور وہ اس کا جواب تحریر کر دے تو اس کے فتوی پر عمل کرنا جائز ہے، البتہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اس کو منصب افتاء پر بحال کیا جائے، اس لئے کہ ہر شخص کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ تحریر بھی اس کے لئے لکھ سکے(۹۲)۔

ان کے علاوہ کسی اور نے یہ شرط ذکر نہیں کی، اسی طرح مفتی کے بینا ہونے کو بھی فقہاء نے شرائط میں ذکر نہیں کیا ہے، لہذا نابینا شخص کا بھی فتوی دینا درست ہے، اور مالکیہ کے یہاں اس کی صراحت موجود ہے(۹۳)۔

مفتی کے لئے علماء نے مندرجہ ذیل اہم صفات ذکر کئے ہیں:

۱۔ اسلام (مسلمان ہونا)، لہذا کسی کافر کا فتوی دینا درست نہیں ہے۔

۲۔ عقل، (عاقل ہونا)، لہذا کسی مجنون کا فتوی دینا درست نہیں ہے۔

۳۔ بلوغ (بالغ ہونا)، لہذا کسی نابالغ بچے کا فتوی دینا درست نہیں ہے۔

۴۔ عدالت (عادل ہونا، لہذا کسی فاسق شخص کا فتوی دینا جمہور علماء کے نزدیک درست نہیں ہے۔

اس لئے کہ فتوی حکم شرعی کی خبر دینے کا نام ہے، اور کسی فاسق کی خبر مقبول نہیں ہے، البتہ بعض لوگوں نے فاسق کا خود اپنے بارے میں فتوی دینے کو اس حکم سے مستثنی رکھا ہے، کیونکہ فاسق اپنے نفس کی صداقت سے بخوبی واقف ہوتا ہے(۹۴)، بعض حنفیہ کی رائے یہ

ہے کہ فاسق بھی مفتی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس لئے کہ وہ بھی اجتہاد کرتا ہے، تا کہ اسے خطا کی طرف منسوب نہ کیا جائے (۹۵)۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ فاسق کا فتوی بھی درست ہے، الا یہ کہ اس کا فسق مشہور ومعروف ہو، اور وہ بدعت کا داعی ہو، اور یہ اس وقت ہے جب فسق عام ہوجائے اور ہر طرف فسق ہی کا غلبہ ہو، تا کہ احکام معطل ہوکر نہ رہ جائیں، البتہ اس کے لئے اصلح فالاصلح (بہتر سے بہتر) والے اصول کی رعایت کرنا واجب ہے (۹۶)۔

## بدعتی کا فتوی :

اگر اس کی بدعت کفر اور فسق کی حد تک پہنچ چکی ہو تو پھر بدعتی کا فتوی درست نہیں ہے، ورنہ ان امور میں اس کا فتوی درست ہوگا جن میں وہ بدعت کا داعی نہ ہو۔

خطیب بغدادی (۹۷) کی رائے:

خطیب بغدادی کی رائے یہ ہے کہ خواہشات کی پیروی کرنے والے جن کو ہم نہ کافر کہہ سکتے ہوں، اور نہ ان کے بدعت کی وجہ سے فاسق گردان سکتے ہوں ان کا فتوی دینا درست ہے، البتہ شری اور رافضی جو صحابہ اور سلف صالحین کو گالیاں دیتے ہوں ان کے فتاوی رزیل ومردود ہوں گے اور ان کی بات غیر مقبول ہوگی (۹۸)۔

۵ — اجتہاد، معتبر دلائل کی روشنی میں احکام شرعی کے استنباط میں طاقت بھر کوشش صرف کرنے کا نام اجتہاد ہے، اللہ تعالی کے اس فرمان کی وجہ سے :

**"قل إنما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغی بغیر الحق وأن تشرکوا بالله ما لم ینزل به سلطانا وأن تقولوا علی الله ما لا تعلمون" (۹۹)۔**

(آپ کہہ دیجئے کہ البتہ میرے رب نے حرام قرار دیا ہے، ان تمام باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کو اور اس کو کہ تم اللہ کے ساتھ

کسی کو شریک کرو جس کے لئے کوئی اللہ نے دلیل نازل نہیں کی، اور اس بات کو کہ تم اللہ پر ایسی بات باندھو جسے تم جانتے نہیں )۔

امام شافعی کہتے ہیں جسے خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے کہ کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ وہ اللہ کے دین کے بارے میں فتوی دے، سوائے اس کے کہ جو شخص کتاب اللہ سے واقف ہو، اس کے ناسخ ومنسوخ سے باخبر ہو، اس کے محکم اور متشابہ کو جانتا ہو، اس کی تاویل سے واقف ہو، شان نزول کا علم رکھتا ہو، اس کے مکی اور مدنی ہونے کی جانکاری رکھتا ہو، اور اس آیت سے کیا مراد ہے اسے بھی سمجھتا ہو، اس کے بعد حدیث رسول کی بصیرت رکھتا ہو، احادیث کی نوعیتوں سے اسی طرح واقف ہو جس طرح قرآن سے، عربی زبان ولغت اور اشعار میں اتنی مہارت ہو جتنی کہ قرآن وسنت کو سمجھنے میں ضروری ہے اور اس کو پوری دیانت داری اور انصاف کے ساتھ استعمال کرنے کی لیاقت سے بہرہ ور ہو، اہل امصار کے اعراف وعادات کے اختلاف پر اس کی نگاہ ہو اور اس کے بعد اس کے اندر زیرکی اور ذہانت بھی ہو، اگر اتنی خوبیاں اس کے اندر جمع ہوں تو اس کے لئے درست ہے کہ وہ دین کے بارے میں گفتگو بھی کرے اور حرام وحلال کے سلسلہ میں فتوی بھی دے، اگر اس طرح کی خوبیوں والا آدمی نہ ہو تو اس کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ فتوی کے لئے بیٹھ جائے اور یہی مفہوم ہے اجتہاد کا۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ اسی سے قریب ترین بات امام احمد کی بھی ہے (۱۰۰)۔

اور اس شرط کا مفہوم یہ ہے کہ کسی عامی شخص کا، اور ایسے مقلد کا جو صرف دوسروں کے قول پر فتوی دیتا ہو، اس کا فتوی دینا اور منصب افتاء پر بیٹھنا درست نہیں ہے۔

ابن قیم مزید کہتے ہیں کہ کسی مقلد کے فتوی دینے کے سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

اول: پہلا تو وہی جو اوپر بیان ہوا کہ محض تقلید کے ذریعہ فتوی دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ علم نہیں ہے، ( بلکہ صرف نقل اقوال ہے ) اس لئے کہ مقلد عالم نہیں ہوتا ہے، اور فتوی بغیر علم کے حرام ہے۔ ان کے بقول یہ جمہور شافعیہ اور اکثر حنابلہ کی رائے ہے۔

ثانی: دوسرا یہ کہ صرف ان امور میں اس (مقلد) کا فتوی دینا جائز ہے جو خود اس کی اپنی ذات سے متعلق ہو اور جہاں تک یہ بات کہ وہ خود دوسرے کا مقلد ہو اور اس پر فتوی دینے بیٹھ جائے یہ جائز نہیں ہے۔

ثالث: تیسرا یہ کہ ضرورت کے وقت اور مجتہد عالم اگر میسر نہ ہو تو اس وقت اس کا فتوی دینا جائز ہے اور یہی صحیح ترین بات ہے اور آج اسی پر عمل ہے (۱۰۱)۔

ابن عابدین ابن ہمام سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ اصولین کی آراء کے تتبع اور تلاش سے پتہ چلتا ہے کہ مفتی وہی ہوسکتا ہے جو مجتہد ہو، لہذا غیر مجتہد جس نے صرف مجتہدین کے اقوال یاد کر رکھے ہوں، وہ مفتی نہیں ہوسکتا، اس کے باوجود اگر وہ فتوی دیتا ہے تو اس کے اوپر لازم ہے کہ جب اس سے کوئی سوال کیا جائے اور وہ اس کا جواب دے تو اس میں مجتہد کے قول کی صراحت کرے، اس کا حوالہ دے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو موجودہ مفتیان فتاوی دے رہے ہیں وہ فتوی نہیں دیتا ہے، بلکہ وہ مفتی دوسرے کے کلام کو نقل کرتا ہے، تا کہ مستفتی اسے اختیار کر لے۔

اور ایسے مفتی کے لئے ضروری ہے کہ جن کے اقوال وہ نقل کر رہا ہے باضابطہ طریقے سے اور نام کے ساتھ نقل کرنے کا اہتمام کرے اور گفتگو اور تحریر کا اسلوب اس طرح نہ رکھے کہ قاری یہ سمجھے کہ یہ خود اسی مفتی ہی کی بات ہے (۱۰۲)۔

اصولیین کی گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت مقلد کا فتوی، فتوی نہیں ہے (۱۰۳) بلکہ اس سے مشابہت کی وجہ سے مجازاً فتوی سے موسوم کیا جاتا ہے، اور موجودہ دور میں مجتہدین کی کمی یا معدوم ہونے کی وجہ سے اسے بھی اختیار کرنا جائز ہے۔

اسی وجہ سے صاحب ''تنویر الابصار'' علامہ حصکفی کہتے ہیں کہ ''اجتہاد ترجیحی شرائط میں سے ہے''۔

- ابن عابدین کہتے ہیں کہ حصکفی کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مجتہد موجود ہو تو اس کو

اس منصب پر فائز کرنا اولی ہے (۱۰۴)۔

- ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ مجتہد کے میسر ہونے تک کار افتاء کو موقوف رکھنے میں دشواری اور حرج ہے، یا پھر لوگوں کو اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دینا ہے، اس لئے قابل اختیار بات یہی ہے کہ ائمہ متقدمین کے اقوال کی روایت کرنے والا جب عادل اور دیانت دار ہو اور امام کی بات اچھی طرح سمجھتا ہو اور پہلے اسے نقل کرتا ہو اور مقلد کے لئے اسی کا قول نقل کرتا ہو تو یہ کافی ہے، اس لئے کہ ایک عامی شخص کے نزدیک غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ فی زمانہ اسی نوعیت کے فتاوی کی صحت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔
- علامہ زرکشی کہتے ہیں کہ جس شخص نے علم کا صرف کچھ حصہ اپنے اندر جمع کیا ہو، اس کے بارے میں اجماع نقل کیا گیا ہے کہ اس کے لئے فتوی دینا حلال نہیں ہے (۱۰۵)۔
- نیز اس شخص کے لئے بھی فتوی دینا مناسب نہیں ہے جو محض اپنے امام کے مذہب کے مطابق فتوی دیتا ہو، جب تک کہ اس کی (امام کی) دلیل اور وجہ استنباط سے واقف نہ ہو۔
- ابن قیم کہتے ہیں کہ مقلد کے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے دین کے بارے میں فتوی دے، جبکہ وہ فتوے کے معاملہ میں مقلد محض ہو، اور اس کے اندر اس سے زیادہ بصیرت نہ ہو کہ یہ قول اس کا ہے جس کی وہ تقلید کر رہا ہے، سلف کے یہاں اجماعی مسئلہ ہے، جس کی صراحت امام شافعی اور امام احمد وغیرہما نے کی ہے (۱۰۶)۔
- امام جوینی (امام الحرمین) ''شرح الرسالہ'' میں فرماتے ہیں کہ جس نے امام شافعی کے اقوال ونصوص حفظ کر لئے اور دیگر فقہاء کے اقوال بھی ضبط کر رکھے ہیں، مگر ان کے حقائق اور معانی سے واقف نہ ہو تو اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اجتہاد

اورقیاس کرے، اوروہ اہل فتوی میں سے قطعی نہیں ہوسکتا، اگراس نے فتوی دے بھی دیا تو معتبر نہیں ہوگا(۱۰۷)، اورحنفیہ کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اصحاب ترجیح مشائخ میں سے جومجتہد فی المذہب ہیں ان کے لئے علی الاطلاق امام کا قول اختیار کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ ان پر دلائل میں غور کرنا اور دلیل کی بنیاد پر جوراجح ہواس کوراجح قرار دینا ضروری ہے، اوراگر ایسا نہ ہوتو پھر ائمہ مذہب کے اقوال اسی ترتیب سے اختیار کرنا جس ترتیب سے علماء احناف نے لازم قرار دیا ہے، ضروری ہے، اور اس کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ جس قول کو چاہے اختیار کرلے (۱۰۸)، اسی طرح حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ اس کے لئے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ دوقول والے مسئلہ میں جسے چاہے اختیار کرلے، بلکہ اس کے اوپر لازم ہے کہ وہ غور کرے کہ کون سا قول دلیل سے یا قواعد مذہب سے زیادہ قریب ہے اوراسی پر عمل کرے۔

- ابن عابدین کہتے ہیں کہ شافعیہ میں سے ابن حجر مکی نے اس کی صراحت کی ہے اور انہوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، اوراس سے پہلے بھی یہ بات گذر چکی ہے اور ابن صلاح اور مالکیہ میں سے باجی نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے کہ جب یہ معلوم ہوجائے کہ اپنے امام کے علاوہ دوسرے کا قول درست ہے اور وہ اہل اجتہاد میں سے ہوتو اس کو چاہئے کہ اس قول پر فتوی دے جو اس کے نزدیک راجح ہو(۱۰۹)۔ مفتی مقلد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ قول مرجوح اور ضعیف پر فتوی دے، اس کی صراحت حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے کی ہے، بلکہ حصکفی نے تو یہاں تک نقل کیا ہے کہ مرجوح اقوال پر فتوی دینا پرلے درجہ کی جہالت اوراجماع کی خلاف ورزی ہے(۱۱۰)۔
- حنفیہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ کسی مقلد مفتی کے لئے ضعیف اور مرجوح قول پر فتوی دینا بالکل جائز نہیں، حتی کہ خود اپنی ذات سے متعلق بھی فتوی دینا جائز نہیں

ہے، البتہ مالکیہ نے مقلد کے خود اپنی ذات کے بارے میں فتوی دینے کی اجازت دی ہے (۱۱۱)۔

اس کے پیش نظر میں بھی (صاحب کتاب) کہتا ہوں کہ مقلد کے لئے مجتہد کے قول پر فتوی دینا جائز ہے، خواہ جس کی تقلید کر رہا ہے وہ زندہ ہو یا مردہ۔

- امام شافعی کا مشہور قول ہے کہ ''مذاہب کبھی صاحب مذہب کے انتقال سے نہیں مرا کرتے'' اسے صاحب ''المحصول'' نے بیان کیا ہے، اور اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے، اس لئے مجتہد جس نے کوئی حکم مستنبط کیا اس کے نزدیک وہ حکم دائمی ہے۔
- شافعیہ اور حنابلہ کی دوسری رائے اس بارے میں یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ مجتہد زندہ ہوتا اور کوئی مسئلہ اس کے سامنے (نیا) آتا تو اس کی رائے تبدیل ہوتی، خواہ حکم کے وجوب میں یا استحباب میں، اور یہ ممکن ہے کہ اگر اس کی رائے نئی سامنے آتی تو پہلے قول سے رجوع کر لیتا (۱۱۲)۔

اسی طرح مجتہد نے اگر اپنے کسی قول سے رجوع کر لیا تو پھر مقلد کے لئے اس پر فتوی دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے رجوع کر لینے کی وجہ سے اب وہ اس کا قول شمار ہی نہیں ہوگا، مگر یہ حکم اس وقت ہے جب اہل ترجیح نے اس کو راجح قرار نہ دیا ہو، یہیں سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ امام شافعی کے قول قدیم کو جو قول جدید سے مختلف ہے، ترک کر دیا جائے گا، سوائے چند قدیم مسائل کے جن کو ائمہ شوافع میں کے اصحاب ترجیح نے راجح قرار دیا ہے (۱۱۳)۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ جنہوں نے میرے قول قدیم کی روایت کی ہے، اس میں کوئی مسئلہ کا حل نہیں ہے (۱۱۴)۔

- ''جودۃ القریحہ'' اس کے معنی یہ ہے کہ وہ مفتی زیادہ تر اپنی رائے میں صحت تک پہنچتا ہو، حکم شرعی کا صحیح استنباط کرتا ہو، اس لئے یہ بات حق بہ جانب ہے کہ غبی اور کند ذہن

شخص فتوی کا اہل نہیں ہے، اور نہیں وہ شخص جو اکثر مسائل میں غلطی کرتا ہو، بلکہ فتوی دینے والے مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے کلام کے مقاصد اور دلائل کے قرائن وسیاق کو اچھی طرح سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، فیصلہ میں سچا ہو اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ "أن تكون قريحة" (کہ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اتنا ذہین ہو کہ زیادہ تر مسائل میں صحیح نتیجہ تک پہنچتا ہو)۔

- امام نووی کہتے ہیں کہ مفتی ہونے کے لئے فقیہ النفس ہونا، سلیم الذہن (ذہن کا صحیح سالم ہونا) رصین الفکر (سنجیدہ فکر، محتاط اور ثابت قدم رہنے والا ہونا) اور غور وفکر اور استنباط میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے والا ہونا شرط ہے (۱۱۵)۔

## فتوی کب درست ہوگا:

کسی مفتی کا فتوی مندرجہ ذیل دو امر کے ملحوظ رکھنے سے درست ہوگا:

۱- دلیل سے صحیح حکم اخذ کرنے کی وجہ سے

۲- اور جو سوال مفتی سے کیا گیا ہے اس پر صحیح طریقہ سے حکم منطبق کرنے کی وجہ سے، اس لئے حکم شرعی میں موثر ہونے والے کسی بھی وصف سے غفلت نہیں برتی جاسکتی، اور نہ ہی ایسی کسی تاثیر کی کوئی پروا کی جائے گی جس کا کوئی اثر ہی نہ ہو۔

## ۷- زیرکی اور بیدار مغزی:

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیدار مغز ہو (یہ شرط ہے) (۱۱۶)۔

- ابن عابدین کہتے ہیں کہ بعض حضرات نے مفتی کے بیدار مغز ہونے کو شرط قرار دیا ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ شرط بطور خاص ہمارے زمانہ کے لئے ہے، اس لئے یہ ملحوظ رہے کہ مفتی خوب بیدار مغز ہو، تاکہ لوگوں کی حیلہ بازیوں، دسیسہ کاریوں اور مکاریوں کو سمجھ سکے، کیونکہ بہت سے لوگوں کو حیلہ بازی اور جھوٹ بولنے، بات

بدلنے اور غلط بات کو صحیح فریم میں پیش کرنے میں بڑی مہارت ہوتی ہے، اس لئے مفتی کی غفلت اس زمانہ میں بہت بڑے نقصان کا سبب بن سکتی ہے (۱۱۷)۔

- ابن قیم کہتے ہیں مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے مکر، دھوکہ دہی، فریب اور حالات پر پوری بصیرت کے ساتھ نظر رکھنے والا ہو، اگر ایسا نہیں ہوگا تو خود بھی دھوکہ کھائے گا، اور دوسروں کو بھی دھوکہ میں ڈال دے گا (۱۱۸)، اس لئے کہ اس کا دھوکہ کھانا اس کے مسائل کو فریب خوردہ کرکے رکھ دے گا (۱۱۹)، جس طرح جاہلوں کو پیسہ اپنے فریب میں گرفتار کرلیتا ہے، اور صاحب بصیرت انسان کو اس کی بصیرت اس کے کھوٹے پن سے نکال دیتی ہے، جس طرح سونے کی پرکھ رکھنے والا سونے کے کھوٹے پن کو نکال دیتا ہے، کتنی ہی ایسی غلط چیز ہے جسے لفاظ اپنے الفاظ کی خوبصورتی سے اور فریب سے اسے صحیح بنا کر پیش کردیتے ہیں، بلکہ یہ زیادہ تر لوگوں کا حال ہے، اس لئے اگر مفتی فقیہ اور دانا نہیں ہوگا اور لوگوں کے حالات سے واقف کار نہیں ہوگا تو ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم اور اس کے برعکس تصور کرے گا (۱۲۰)۔

انہیں امور سے یہ بھی متعلق ہے جس کی طرف بعض علماء نے توجہ دلائی ہے کہ مفتی کا مستفتی کے الفاظ اور زبان واسلوب اور محاورے کا جاننے والا ہونا بھی شرط ہے، تاکہ مستفتی کے کلام کا الٹا مطلب اور وہ مراد نہ سمجھ لے جو اس کا مطلب نہ ہو، اور بطور خاص یہ اس وقت ہوگا جب اس کا فتوی الفاظ سے ہی متعلق ہو، جیسے ایمان ونذور اور اقرار وغیرہ کے الفاظ ہوتے ہیں (۱۲۱)۔

## قرابت داری اور دشمنی فتوی میں موثر نہیں ہوتی قضاء میں ہوتی ہے:

قرابت داری، دوستی اور دشمنی فتوی کی صحت میں موثر نہیں ہوتے، جس طرح قضاء اور شہادت میں موثر ہوتے ہیں، لہذا مفتی کے لئے اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے دوست

اور اپنے پارٹنر کو فتوی دینا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کے دشمن کے خلاف فتوی پوچھا جائے اور وہ فتوی دے، اس لئے فتوی اس معاملہ میں روایت کے درجہ میں ہے، اور مفتی کی حیثیت شریعت کے عام معاملات میں حکم شرعی کی خبر دینے والے کی ہے، جو کسی ایک شخص کے ساتھ خاص نہیں ہے، اور اسی وجہ سے فتوی کو ماننا لازم نہیں ہوتا ہے، برخلاف قاضی کے حکم کے کہ وہ لازم ہوتا ہے اور مفتی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اپنے بارے میں بھی فتوی دے۔

- ابن قیم کہتے ہیں کہ مفتی کے لئے جائز نہیں ہے کہ فتوے میں اپنے عزیز و اقارب یا اپنی ذات کو محبوب رکھے، اس طرح کہ اپنے لئے یا اپنے کسی عزیز کے لئے فتوی میں رخصت کی راہ نکالے، اور دوسروں پر سختی کا معاملہ کرے، اگر ایسا کرتا ہے تو اس کی عدالت مشکوک اور قابل نقد قرار دی جائے گی۔
- ابوعمرو بن صلاح (۱۲۲) صاحب ''الحاوی'' سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر مفتی اپنے فتوی میں کسی متعین شخص کو نشانہ بناتے ہوئے مخالفت کرے تو اس کو خصم قرار دیا جائے گا، اور اس شخص کے خلاف دیئے گئے فتوی کو جس سے دشمنی رکھتا ہے رد کر دیا جائے گا، جس طرح اس کی گواہی کو شہادت دینے کی صورت میں مسترد کر دیا جاتا ہے (۱۲۳)۔

امام احمد بن حنبل مفتی کے لئے عمدہ اخلاق و اطوار کا حامل ہونے کی بابت تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کسی شخص کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اپنے آپ کو مفتی نام زد کروائے، جب تک کہ اس کے اندر مندرجہ ذیل پانچ خصلتیں موجود نہ ہوں:

- اس کے اندر اخلاص نیت ہو، مگر اخلاص نیت نہیں ہوگا تو اسے نور اور روشنی میسر نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس کے کلام میں کوئی روشنی ہوگی۔
- اس کے اندر علم ہو، بردباری ہو، وقار ہو اور سنجیدگی ہو۔

- علم اور معرفت میں پختہ ہو۔
- اور ''کفایہ'' یعنی اتنی حیثیت کا مالک ہو، یا اس کی یافت ہو جو اس کے لئے کافی ہو، ورنہ لوگوں کا لقمہ بن جائے گا۔
- اور لوگوں کی معرفت بھی رکھتا ہو (۱۲۴)۔

## سوم: قاضی کا فتوی دینا:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قاضی عبادات وغیرہ میں فتوی دے سکتا ہے جو فی نفسہ قضاء کا میدان نہیں ہے، جیسے ذبائح اور قربانی۔

اور ان امور میں جو قضاء کے اندر آتے ہیں، ان میں فتوی دینے کی بابت فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

شافعیہ ایک رجحان کے مطابق، جسے نووی نے صحیح قرار دیا ہے، اور حنابلہ ایک قول کے مطابق جسے ابن قیم نے صحیح قرار دیا ہے، ان امور میں بھی قاضی کا فتوی دینا بغیر کسی کراہت کے درست ہے، جو قضاء کے دائرے میں آتے ہیں، اور دونوں امام کے دوسرے رجحان کے مطابق درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ موضع تہمت ہے، ان حضرات نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر ان امور میں قاضی فتوی دے گا تو اس کا فتوی خصم کے خلاف فیصلہ کے مانند ہو جائے گا اور جب مقدمہ قائم ہوگا تو فیصلے کے وقت اس کا توڑ ناممکن نہ ہوگا، اس لئے کہ کبھی کبھی فیصلے کے وقت قاضی کا اجتہاد اور رائے تبدیل بھی ہو جاتی ہے، یا ممکن ہے کہ فیصلے کے وقت جو قرائن و وجوہات سامنے آئیں گے وہ افتاء کے وقت سامنے نہ آسکیں، لہذا اگر فیصلہ افتاء کے خلاف ہوگا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوگا اسے قاضی کو طعن و تشنیع کرنے کا موقع مل جائے گا، اور جگ ہنسائی بھی ہو سکتی ہے۔

- قاضی شریح (۱۲۵) کہتے ہیں: میں تمہارے معاملہ میں فیصلہ کروں گا، فتوی نہیں دوں گا۔
- ابن منذر کہتے ہیں کہ قاضی کے لئے احکام شرعیہ میں فتوی دینا مکروہ و ناپسندیدہ ہے (۱۲۷)۔

- حنفیہ کے نزدیک صحیح موقف یہ ہے کہ قاضی کے لئے مجلس قضاء میں اور اس کے علاوہ میں عبادات اور کچھ دیگر احکام میں فتوی دینے کی گنجائش ہے، جب تک مستفتی کے لئے کوئی مخالفت کرنے والا خصم نہ ہو، اور اگر کوئی خصم ہو تو پھر قاضی اس معاملہ میں فتوی نہ دے (۱۲۸)۔
- مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جس معاملہ کے بارے میں ایسے حالات ہوں کہ اس میں کوئی خصم ہوسکتا ہے تو اس میں فتوی دینا مکروہ ہے، جیسے خرید وفروخت، شفعہ اور جنایات۔
- برزلی (۱۲۹) کا خیال ہے کہ یہ اس وقت ہے جب اس بات کا امکان ہو کہ اس مسئلہ کو اس کے پاس لایا جاسکتا ہو، لیکن اگر سوال اس شہر کے علاوہ کہیں اور سے آیا ہو جس میں وہ بحیثیت قاضی فیصلے کرتا ہے، تو پھر فتوی دینا مکروہ نہیں ہے (۱۳۰)۔
- اب اگر قاضی نے کوئی فتوی دیدیا تو اس کی حیثیت اس کے فیصلہ جیسی نہیں ہوگی، اور اس مسئلہ کو دوسرے کے پاس بھی لے جانا جائز ہوگا، لہذا اگر کسی پیش آمدہ مسئلہ میں اس نے یا کسی دوسرے نے اس کے خلاف فیصلہ کردیا تو یہ اس کے حکم کی مخالفت نہیں قرار پائے گی (۱۳۱)۔ اور اگر کسی شخص کی رمضان کے چاند کے بارے میں شہادت رد کردی گئی تو یہ شہادت کا رد کیا جانا فیصلہ میں اس کی عدالت میں موثر نہیں ہوگا، اور نہ ہی یہ کہا جائے گا کہ اس نے چھوٹا فیصلہ کیا، یا اس نے چاند ہی نہیں دیکھا، اس لئے کہ عبادات قضاء کے زمرے میں داخل نہیں ہیں (۱۳۲)۔

## چہارم: قضاء اور فتوی کے درمیان فرق:

فتوی قضاء سے بہت سے امور میں مختلف ہوتا ہے، ان میں سے چند کا ہم تذکرہ کرتے ہیں:

''فتوی حکم شرعی کی خبر دینے کا نام ہے، اور قضاء کسی حکم کو خصمین اور فریقین کے

درمیان لازم اور یقینی کرنے کا نام ہے''۔

۱—فتوی میں بیان کردہ حکم کو مستفتی یا دوسرے کے لئے اختیار کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ اگر وہ اسے درست بھی تصور کرتا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اس پر عمل کرے، یا اسے ترک کردے، اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کسی دوسرے مفتی سے فتوی حاصل کرے، اور جہاں تک قضائی حکم اور فیصلہ کی بات ہے تو اسے اختیار کرنا لازم ہے(۱۳۳)۔

اور اسی پر اس مسئلہ کی بنیاد بھی ہے کہ خصمین اور فریقین میں سے کسی کو فقہاء کے کسی فتوی کی طرف بلایا جائے تو ہم اس کو حاضر ہونے پر مجبور نہیں کر سکتے، اور اگر کسی قاضی کی طرف بلایا جائے تو اس کو قبول کرنا ضروری ہوگا، اور اس پر اسے مجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ قاضی نزاعات اور جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے ہی مقرر کیا گیا ہے(۱۳۴)۔

۲— اسی قبیل سے صاحب درمختار کا یہ قول ہے جو انہوں نے بزازیہ کے کتاب الایمان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مفتی دیانت کی بنیاد پر فتوی دیتا ہے—یعنی باطن اور دل کے معاملہ کو سامنے رکھتے ہوئے— اور مستفتی بھی اپنا سوال دیانت کی بنیاد پر ہی کرتا ہے، جبکہ قاضی ظاہری احوال کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرتا ہے۔

— ابن عابدین کہتے ہیں کہ اس کی مثال یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی مفتی سے کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو طلاق والی ہے، اور اس کا ارادہ جھوٹی خبر دینے کا ہو، تو مفتی اس کی دیانت کا خیال کرتے ہوئے طلاق واقع نہ ہونے کا فتوی دے گا، (اس لئے کہ وہ دل سے طلاق نہیں دینے کی خبر دے رہا ہے، جبکہ قاضی اس کے طلاق واقع ہونے کا فیصلہ دے گا(۱۳۵)۔

۳— ابن قیم کہتے ہیں کہ قاضی کا فیصلہ ایک خاص جزئی امر ہے جو محکوم کے علاوہ دوسرے کی طرف متعدی نہیں ہوتا، اور مفتی کے فتوی کی حیثیت عام شرعی حکم کی ہے جو مستفتی سے بھی متعلق ہے اور اس کے علاوہ سے بھی، اس لئے قاضی کسی کے حق میں جب فیصلہ کرتا ہے

تو اس کا فیصلہ اسی متعین شخص کے لئے ہوتا ہے، اور مفتی جب فتوی دیتا ہے تو وہ حکم عام ہوتا ہے اور کلی ہوتا ہے، اس طور پر کہ کسی شخص نے ایسا کیا، تو ایسا ہوگا، اور اگر ایسا کہا تو اس پر یہ لازم ہوگا (۱۳۶)۔

۴– قضاء ہمیشہ بولے جانے والے الفاظ کے ذریعہ ہوتا ہے، جبکہ فتوی تحریر کے ذریعہ بھی ہوتا ہے، فعل سے بھی ہوتا ہے اور اشارہ سے بھی ہوتا ہے (۱۳۷)۔

# خاتمہ

ان چند صفحات میں ہم نے شریعت اسلامی میں موجود قضا اور افتاء کی اہم بحثوں کو مختصر انداز میں پیش کر دیا ہے، اور قاضی اور مفتی کی صفات وحیثیات اور ان سے متعلق امور سے بھی دقت نظر، غور وفکر اور مدلل انداز سے واقف کرایا ہے، جن سے اس میدان کے افراد استقلال اور پختگی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور ان کو اختیار کرنے میں اپنے اندر ورع وتقوی اور علمی گیرائی کی رعایت بھی کر سکتے ہیں، اور یہ کیوں نہ ہو، جب کہ اسلامی سلطنتوں نے ہمیشہ اپنے قضاۃ کی انصاف پروری، ان کے ذریعہ سنجیدگی سے کئے گئے فیصلوں اور قانون سے ہمیشہ عزت ووقار حاصل کیا ہے اور صدیوں اس کے روشن اور تابناک دور میں شریعت کی حکمرانی رہی ہے، جس میں اسلامی شریعت نہ تو کبھی اس ضرورت کی تکمیل سے قاصر رہی، اور نہ ہی کبھی اپنے مقصد کی تکمیل میں پیچھے رہی۔

شریعت اسلامی کی عالمگیریت اور ابدیت کا تقاضا ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں عمدہ طریقہ پر اپنے قانون کی تطبیق وتنفیذ کی صلاحیت رکھے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ شریعت میں ایسے نصوص اور احکام وارد ہوئے ہیں جن پر کبھی مرور زمانہ اثر انداز نہیں ہوا اور نہ ہی اس کی جدت وجاذبیت ماند پڑی ہے، اور نہ اس کے عمومی اصول اور بنیادی نظریات کسی تبدیلی کے متقاضی ہوئے، چنانچہ شریعت کے جتنے بھی نصوص ہیں ان میں اتنی عمومیت اور لچک ہے کہ ہر نئی حالت میں اس کے مطابق فیصلے کئے جاسکتے ہیں اور زندگی کے تمام میدان ومقاصد کی تکمیل میں قبول کیا جاسکتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اس وقت دنیا کی اس حالت اور اس میں موجود مشکلات، جھگڑے اور اختلافات نے اسے روحانیت سے نکال کر ایسی پست مادی تہذیب کی دلدل میں ڈھکیل دیا ہے کہ پوری انسانیت ہی تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ ایسے میں اسلام کے لئے سنہری موقع ہے کہ اپنے نیک اور صالح نظریات وعقائد اور اصول کو دنیا کے سامنے پیش کرے جو فرد اور معاشرہ، دنیا وآخرت، جسم اور روح سب کے لئے یکساں مفید ہے۔

## اسلام کا قضائی (Judicial) نظام:

اسلام کا قضائی نظام اپنی خصوصیت اور جامعیت کے لحاظ سے دوسرے قانونی نظام سے تاریخ کے ہر ادوار میں ممتاز اور لائق تحسین رہا ہے، ماضی میں بھی رہا ہے، اور آج بھی ہے، اور جس کے سائے میں آئندہ بھی انسانیت زندہ رہے گی، جو شفافیت، حاکمیت کی وسعت، فریقین کے لئے اپنے حقوق کے دفاع میں آزادی، ہر طرح کے قید وبند اور گھٹن سے خالی، جبر اور بے جا دباؤ اور تسلط سے پاک ہونے میں دوسرے تمام قوانین سے اسلامی نظام قانون ممتاز اور اعلی مقام پر رہا ہے، اسی طرح ہمارے قاضیوں کا کردار بھی اللہ سے خوف اور آخرت کی جواب دہی کے احساس کی وجہ سے روشن، مثالی، ممتاز اور قابل تقلید رہا ہے۔

اسی طرح افتاء کے باب میں بھی آپ دیکھئے! مفتی کے اختیار وانتخاب میں اور اس کی ذات وصفات کے بارے میں کس طرح غور وفکر کرنے کا شرعی اصولوں میں پابند بنایا گیا ہے، اور مفتی کے لئے کس طرح ان پر واجب قرار دیا گیا ہے کہ وہ ان اوصاف سے مزین ہوں۔

افتاء وقضاء کے باب میں جو شرعی ضوابط بیان کئے گئے ہیں، ان کی پابندی اور التزام کے بغیر دنیا کی ہر عالمی قوت اور بین الاقوامی تہذیب بننے کی خواہاں مملکت کے لئے عدل وانصاف کا قائم کر پانا ناممکن ہے اور آپ کا کیا خیال ہے؟ اگر اسلامی دنیا ان شرعی ضابطوں کو عملاً زندگی کے تمام امور میں اختیار اور نافذ کر لے.....؟؟

اس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اگر اسلامی دنیا نے ان اصولوں کو اختیار کرلیا تو ہمیں غلبہ بھی نصیب ہوگا، عزت وشوکت بھی ملے گی، ہماری عظمت رفتہ بھی واپس آجائے گی، اللہ کا کلمہ بھی بلند ہوگا اور ہم کبھی کسی دوسرے کے محتاج بھی نہیں رہیں گے، بلکہ دنیا ہماری محتاج ہوگی۔

ہم اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارا ہاتھ تھام لے، اور جو بھی ہم سے کوتاہی ہوئی ہے اسے معاف کردے اور ہماری طرف متوجہ ہوجائے، ہمیں ان چیزوں کی ہدایت عطا فرمائے جو اسے پسند ہو اور جس سے وہ محبت کرتا ہو، ہمیں وہی چیزیں سکھائے جو ہمارے لئے نفع بخش ہو، اور اس نے ہمیں جو سکھائے ہیں وہ ہمارے لئے فائدہ مند ہوں، اور ہمارے تمام اعمال کا خاتمہ بالخیر فرمائے، اور ہمارے اس دن کو بہتر بنادے جو اس سے ملنے کا دن ہو، وہی ہمارا ولی اور اس دن کا نگراں ہے اور وہی اس پر قادر ہے۔

**وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله وسلم وبارک على سيدنا ونبينا وحبيبنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔**

# مصادر ومراجع


۱ـــ الماوردی :''الأحکام السلطانیة''،تعلیق: خالدعبداللطیف السبع ،طبع، دار الکتاب العربی۔

۲ـــ الماوردی :''أدب القاضی''،تحقیق: محمد ہلال السرحان،طبع وزارت اوقاف عراق، ۱۳۹۱ھ،مطابق۱۹۷۱ء بغداد۔

۳ـــ ابن اَبی الدم :''أدب القضاء'' تحقیق: ڈاکٹرمحمدمصطفی الزحیلی ،طبع مجمع اللغۃ العربیہ، دمشق، ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء۔

۴ـــ محمود بن محمد بن عرنوس :''تاریخ القضاءفی الإسلام''طبع:المطبعۃ المصریۃ الحدیثۃ۔

۵ـــ ابن فرحون المدنی :''تبصرة الحکام فی أصول الأقضیة و مناهج الأحکام'' طبع اولی،مطبع:المطبعۃ الامیریہ(۱۳۰۶ھ) دارالکتب العلمیہ بیروت۔

۶ـــ ابن عابدین،''حاشیة ابن عابدین علی الدرالمختار شرح تنویر الابصار''،طبع ثانی،(۱۳۹۶ھ)م:۱۹۶۶ءـــمطبع: مصطفی الحلبی۔

۷ـــ ابو القاسم الرہبی السمانی :''روضة القضاة و طريق النجاة'' تحقیق: صلاح الدین الناہی،مطبع: مؤسسۃ الرسالہ،بیروت، ودارالفرقان،عمان۔

۸ـــ ڈاکٹر محمد عبد الرحمن البکر :''السلطة القضائية و شخصية القاضی فی النظام الإسلامی''،طبع اولی(۱۴۰۸ھ،مطابق ۱۹۸۸ء) مطبع:الرہراءللاعلام العربی،قاہرہ۔

۹ـــ الخصاب :''شرح أدب القاضی''مطبع:وزارۃالاوقاف عراق(۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء۔

۱۰۔ ابن قیم الجوزیہ :"الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیه"، تعلیق: شیخ بہیج غزاوی، مطبع: داراحیاءالعلوم العربیہ، بیروت۔
۱۱۔ القرافی :"الفروق"، مطبع دارالمعارف بیروت۔
۱۲۔ ڈاکٹر محمد عبدالقادر ابوفارس :"القضاء فی الإسلام" مطبع: مکتبہ الاقصی، عمان، طبع اولی (۱۳۹۸ھ—۱۹۷۸ء)۔
۱۳۔ ابراہیم بخیت محمد عوض :"القضاء فی الاسلام تاریخه و نظامه"، مطبع: مجمع البحوث الاسلامیہ، قاہرہ (۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء)۔
۱۴۔ ابن الشحینۃ :"لسان الحکام فی معرفة الأحکام" مطبع: مصطفی الحلبی، طبع ثانیہ (۱۳۹۳ھ—۱۹۷۳ء)۔
۱۵۔ طرابلسی:"معین الحکام فیها تردد بین الخصمین" مطبع مصطفی الحلبی (۱۳۹۳ھ —۱۹۷۳ء)۔
۱۶۔ ابن قدامہ المقدسی :"المغنی" تحقیق: ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، وڈاکٹر عبد الفتاح محمد الحلو، طبع ثانیہ (۱۴۱۳ھ—۱۹۹۲ء)، مطبع: ہجر للطباعہ، قاہرہ۔
۱۷۔ الحطاب:"مواهب الجلیل شرح مختصر خلیل" طبع ثالثہ مطبع: دار الفکر (۱۴۱۲ھ—۱۹۹۲ء)۔
۱۸۔ مشیر جمال صادق المرصفاوی :"نظام القضاء فی الإسلام" مطبع: جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ (۱۴۰۱ھ—۱۹۸۱ء)۔
۱۹۔ ڈاکٹر عبد الکریم زیدان:"نظام القضاء فی الشریعة الاسلامیه" طبع اولی (۱۴۰۴ھ—۱۹۸۴ء) مطبع: العانی، بغداد۔
۲۰۔ الرملی:"نهایة المحتاج إلی شرح المنهاج" مطبع مصطفی الحلبی (۱۳۸۶ھ— ۱۹۷۶ء)۔

# حواشی

(۱) دیکھئے : ''سنن أبی داؤد'' (۴/ ۳۳۳)، حدیث نمبر : (۵۱۲۸) ترمذی، حدیث نمبر : (۲۸۲۲، ۲۸۲۳)۔

(۲) ''مقدمۃ ابن خلدون'' (۱/ ۲۷۲)۔

(۳) ''معین الحکام فی ۶/ ۲، نہایۃ المحتاج ۸/ ۲۳۳، نیز دیکھئے: المعجم الوسیط ۲/ ۷۴۲، مادہ : ''قضی''۔

(۴) قرآن کریم میں (قضی) کا مادہ اپنے مشتقات کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ (معین الحکام ۶/ ۲، نہایۃ المحتاج ۸/ ۲۳۳، نیز دیکھئے: المعجم الوسیط ۲/ ۷۴۲، مادہ : (قضی)، قرآن کریم میں : ''قضی'' کا مادہ اپنے مشتقات کے ساتھ آیا ہے: ''قضی یقضی، قضاها، فقضاهن قضوا، قضیت، تقضی، یقضی، قضیتم، القاضیة'' وغیرہ۔ قرآن میں ۶۵/ مقامات پر اس کا ذکر ہے اور ان میں، حکم، فیصلہ، چیز کو ختم کرنا، پورا کرنا، ادا کرنا، پہنچانا، عہد و پیمان کرنا، حکم دینا، وصیت کرنا، وغیرہ معانی بیان کئے گئے ہیں جو لغوی معنی کے مطابق ہیں، دیکھئے : ''المعجم المفہرس لالفاظ القرآن'' (۶۵۵، ۶۵۶)۔

(۵) سورہ فصلت: ۱۲۰

(۶) سورہ طہٰ: ۷۲۔

(۷) سورہ اسراء: ۲۳۔

(۸) سورہ نساء: ۱۰۳۔

(۹) سورہ الحجر: ۶۶۔

(۱۰) سورہ اسراء: ۴۔

(۱۱) سورہ سبا: ۱۴۔

(۱۲) لسان العرب، المصباح المنیر ۔

(۱۳) القواعد الفقیہ للبرکتی ۱/۳۳۱، نیز : ''قضاء اور قدر کی تعریف کے لئے دیکھئے: حاشیۃ الجمل علی المنہج (۵/۳۳۵)۔

(۱۴) (عابدین) آپ کا نام محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ہے، ملک شام کے بڑے فقیہ اور اپنے زمانہ کے حنفیہ کے امام تصور کئے جاتے تھے، ان کی کتاب ''ردالمحتار علی الدر المختار'' ہے جو ''حاشیۃ ابن عابدین'' سے مشہور ہے، آپ کی وفات (۱۲۵۲ھ) میں ہوئی، دیکھئے : (الاعلام ۶/۲۹۷)۔

(۱۵) ابن عابدین (۵/۳۵۲)، الفتاوی الہندیہ (۳/۲۱۱)۔

(۱۶) الشرح الصغیر (۴/۱۸۶)، تبصرۃ الحکام لابن فرحون (۱/۱۲)۔

(۱۷) مغنی المحتاج (۴/۳۷۲)، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج (۵/۳۳۴)۔

(۱۸) شرح منتہی الارادات (۳/۴۵۹)، کشاف القناع (۶/۲۸۵)۔

(۱۹) فقہاء نے اپنی تشریحات میں ''قضاء'' کی اصطلاح کو دو معنی تک محدود رکھا ہے،:

۱۔ ''اداء'' فقہاء اس کی تشریح یوں کرتے ہیں : ''مامور بہ کو مقررہ وقت نکلنے کے بعد بجالانے کو قضاء کہتے ہیں، جیسے نماز ظہر کو وقت نکلنے کے بعد ادا کرنا، اگرچہ تاخیر کسی عذر کی وجہ سے ہوئی ہو، خواہ اس کی ادائیگی پر وقت کے اندر قادر ہونا، جیسے مسافر کا افطار کر لینا، یا نہ کرنا، یعنی وقت کے اندر کسی شرعی عذر کی وجہ سے اس کام کے کرنے پر قادر نہ ہونا، جیسے حیض اور نفاس، عقلی مانع کی وجہ سے نہ کر سکنا، جیسے نیند، اور حنفیہ کے نزدیک سبب پائے جانے کی صورت میں واجب امر کے مثل کا اپنے ذمہ سے ادا کرنا، اور اسی طرح کسی سبب کی وجہ سے واجب کے مثل کے ذریعہ واجب کو جو مکلف کا حق ہے، ساقط کرنا، یعنی اس مثل کے ذریعہ جو مکلف کا حق ہے، اس لئے کہ مکلف اگر غیر وقت میں نماز ادا کرتا ہے تو اس کی نماز نفل ہو جاتی ہے، اور نفل مکلف کا اپنا حق ہے، کیونکہ نفل تمام اوقات میں بندے کے حق کے طور پر مشروع ہوا ہے، تاکہ اس کے اوپر نیکیاں کمانے اور سعادت حاصل کرنے کے دروازے کھلے رہیں، لہذا جب نفل مکلف کا حق قرار پایا، اور اس نے چھوٹی ہوئی نمازوں کے قضاء کرنے کا ارادہ کیا اور نماز پڑھی تو اس کی یہ نفل نماز اس کے اوپر واجب نماز کی قضاء کی طرف منتقل ہو گئی، لہذا ثابت ہوا کہ قضاء کہتے ہیں اپنے ذمہ میں واجب حق کو اسی کے مثل کے ذریعہ ساقط (ادا) کرنے کو، اور قضاء واجب کی بھی ہوتی ہے، اور سنت کی بھی، اگر وہ دلیل سے ثابت ہو۔ جبکہ مالکیہ اس کے مخالف ہیں ان کے نزدیک نوافل

کی قضاء نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک قضاء واجبات کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) دوسرا معنی: حکم دینا اور لازم کرنا، فقہاء نے اپنی اصطلاحات میں اس کا ذکر کیا ہے کہ قضاء حکم شرعی کو واضح کرنے اور اس کو لازم قرار دینے اور مقدمہ کے فیصل کرنے کا نام ہے، اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر حکم اور فیصلہ لوگوں کے درمیان جھگڑے کو ختم کرنے اور صاحب حق کے حق کو متعین کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، دیکھئے: معجم المصطلحات والالفاظ الفقہیہ (۳/۹۹-۱۰۰)۔

(۲۰) ابن عابدین (۳/۱۳۸)۔

(۲۱) سورہ ص: ۲۶۔

(۲۲) سورہ مائدہ: ۴۹۔

(۲۳) صاحب ''کشاف'' کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ ہم نے آپ کو زمین میں ملک کا خلیفہ بنایا، جیسا کہ بعض سلاطین کسی کو اپنا خلیفہ بعض شہر کے لئے بناتے ہیں اور وہ اس پوری مملکت کا مالک اور حکمراں خود ہوتا ہے، لہذا لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے، یعنی اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کیجئے جب آپ اس کے خلیفہ ہوں، دیکھئے: کشاف (۱/۱۰۸۷)۔

(۲۴) یہ حدیث متفق علیہ ہے، بخاری حدیث نمبر (۷۳۵۲)، مسلم حدیث نمبر (۱۷۱۶) حضرت عمرو بن العاص کی حدیث سے ماخوذ۔

(۲۵) اس روایت کی تخریج ابوداؤد (۳۵۸۲)، اور ترمذی (۱۳۳۱) نے کی ہے، اور اسے حدیث حسن قرار دیا ہے، اور حافظ منذری نے ان سے نقل کرنے کے بعد اس کو ثابت مانا ہے، البتہ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں، اور ترمذی کی روایت مختصر ہے۔

(۲۶) سورہ نساء: ۱۳۵۔

(۲۷) فروض: کی دو قسم ہے، پہلی فرض عین، جو مکلف پر واجب ہو، جیسے روزہ، نماز وغیرہ، دوسرا فرض کفایہ، فرض کفایہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اگر ادا کرلیا تو باقی سب کے ذمہ سے ساقط ہوجائے، جیسے نماز جنازہ، اور معروف وبھلائی کی دعوت وغیرہ۔

(۲۸) شرح ادب القاضی، للصدر الشہید (۱/۱۳۴)، فتح القدیر (۵/۴۵۹)، فتاوی ہندیہ (۳/۳۱۰)، بدائع الصنائع للکاسانی (۷/۳، ۴)، ادب القضاء لابن ابی الدم الحموی (۱/۸۲، ۸۳)، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج (۵/۳۳۵، ۳۳۶)، مغنی المحتاج (۴/۳۷۳)، حاشیۃ

دسوقی (۴/۱۳۰–۱۳۱)، تبصرۃ الحکام (۱/۱۲)، المغنی لابن قدامہ (۹/۳۴–۳۷)، کشاف القناع (۶/۲۸۶، ۲۸۸)۔

(۲۹) ابن عابدین (۵/۳۶۷)۔

(۳۰) کشاف القناع (۶/۲۸۶، ۲۸۸)، ادب القاضی للماوردی (۱/۱۳۷)، ابن ابی الدم (۸۹/)، تبصرۃ الحکام (۱/۲۱)، روضۃ القضاۃ (۱/۷۳)، المغنی لابن قدامہ (۹/۳۸)۔

(۳۱) معین الحکام (۱/۷)، تبصرۃ الحکام (۱/۱۳)، مغنی المحتاج (۴/۳۷۲)، مجموع الفتاوی لابن تیمیہ (۳۵/۳۵۵)۔

(۳۲) تبصرۃ الحکام لابن فرحون (۱/۷)، ابن عابدین (۵/۳۵۴)، مغنی المحتاج (۴/۳۷۵)، کشاف القناع (۶/۳۸۵)۔

(۳۳) ''مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے جمہور فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ قضاء کی ذمہ داری جس کو سپرد کی جائے اس کا مذکر ہونا شرط ہے، اس بنیاد پر عورت کے لئے قطعی جائز نہیں ہے کہ وہ قاضی بنے، ابن رشد کہتے ہیں کہ جہاں تک اس کے جواز میں لازمی شرائط کی بات ہے تو قاضی کے لئے آزاد ہونا، مسلمان ہونا، بالغ ہونا، مرد ہونا عقل مند ہونا اور عادل ہونا شرط ہے، نووی کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے کہ قاضی کافر، فاسق، غلام، بچہ اور کم عقل ہو، اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ قاضی عورت ہو، رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے: ''ما أفلح قوم أسندوا أمرهم امرأة'' (وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جو اپنا معاملہ عورت کے حوالہ کردے)، (اس حدیث کو نسائی (۸/۲۲۷)، اور احمد (۵/۳۸)، نے روایت کیا ہے، اور الفاظ اسی کے ہیں، اور ابن حبان (۴۵۱۶) نے بھی بیان کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے، اور اسی طرح ذہبی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے، اور بہوتی کہتے ہیں کہ قاضی میں دس صفات کا پایا جانا شرط ہے، یعنی یہ کہ وہ عاقل، بالغ، مرد، ہو، اس لئے کہ عورت ناقصۃ العقل ہے، رائے میں کم ہے، اور مردوں کی محفلوں میں حاضر ہونے کی اہل بھی نہیں ہے، البتہ حنفیہ صرف مالی معاملات میں عورت کے قاضی بنائے جانے کو جائز تصور کرتے ہیں، ان میں اس کی شہادت کے جائز ہونے کی وجہ سے، چنانچہ احناف کی کتابوں میں ہے: ''عورت حدود اور دیت کے علاوہ امور میں فیصلہ کرسکتی ہے، اگرچہ اس کو قاضی بنانے والا گناہ گار ہوگا، البتہ وقف کی متولیہ بن سکتی ہے، یتیموں کی نگراں اور گواہ بھی بن سکتی ہے، لیکن اس کے برخلاف قدیم

وحدیث اکابر علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ عورت کو قضاء کی ذمہ داری سپرد کی جاسکتی ہے، انہیں میں امام حسن بصری، ابن قاسم مالکی، امام طبری اور ابن حزم ظاہری وغیرہ ہیں، دیکھئے: بدایۃ المجتہد (۴/۴۲۹)، المجموع (۲۲/۳۱۹)، کشاف القناع (۶/۲۹۴)، رد المحتار (۵/۴۶۶)، مواہب الجلیل (۶/۸۸)، المحلی (۹/۴۲۹)، المفصل فی احکام المرأۃ والبیت المسلم (۴/۳۱۷)، اور اس کے صفحات۔

(۳۴) بدائع الصنائع (۷/۳)، ابن عابدین (۵/۳۵۴)۔

(۳۵) بدائع الصنائع للکاسانی (۷/۳)۔

(۳۶) اس کی روایت ابوداؤد (۳۵۹۲) اور ترمذی (۱۳۲۷) نے کی ہے، اور یہ کہا کہ اس روایت کو ہم اس واسطے کے علاوہ کسی اور سے نہیں جانتے، اور نہ اس کی سند میرے نزدیک متصل ہے، دیکھئے: عون المعبود (۹/۳۶۹)۔

(۳۷) یہ حدیث شہرت اور صحت کو پہنچی ہوئی ہے، اس کے باوجود ابن حزم نے اس کے انکار کی جرأت کی ہے، اور اس سے احتجاج کو ساقط قرار دیا ہے، ابن حزم کہتے ہیں کہ جہاں تک حدیث معاذ کی بات ہے تو اس کے ساقط ہونے کی وجہ سے اس سے احتجاج کرنا درست نہیں ہے، لیکن محض اس حدیث کے سقوط کا دعوی کافی نہیں ہے، بلکہ انہوں نے اس پر اتنے دلائل دیئے ہیں کہ اس حدیث کو موضوع اور باطل ہونے تک پہنچا دیئے ہیں، جبکہ جمہور علماء اور محدثین نے ابن حزم کے تمام جرح کو سختی سے رد کر دیا ہے، اور یہ وضاحت کی ہے کہ اس حدیث میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، نہ ہی اس کے سند کی حیثیت سے اور نہ متن کی حیثیت سے، بلکہ اس حدیث کی صحت مجمع علیہ ہے، اس کی مزید بحث کے لئے دیکھئے: الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم ظاہری (۶/۳۲)، الفکر الفقہی لابن حزم کلیۃ دار العلوم کے ایم اے کا مقالہ (۳۲۳/۳۳۳)۔

(۳۸) سورہ ص: ۲۶۔

(۳۹) شرح ادب القاضی للصدر الشہید (۱/۲۶)۔

(۴۰) بدائع الصنائع (۷/۳)، ابن عابدین (۵/۳۵۵)۔

(۴۱) امام طرطوشی جو مالکیہ کے امام میں سے ہیں، ان کا خیال ہے کہ قاضی کے عقل میں اتنی ہوشیاری

جواسے مکاری تک پہنچادے مطلوب نہیں ہے، بلکہ وہ مذموم ہے، حضرت عمر نے اسی وجہ سے قاضی زیاد کو معزول کر دیا اور فرمایا کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگوں کو تمہاری عقلمندی اور ہوشیاری کے حوالہ کروں، وہ اتنے ذہین تھے کہ ان کی ذہانت ہوشیاری اور چالاکی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی دیکھئے: التاج والاکلیل (۶/ ۱۰۳)۔

(۴۲) دسوقی (۴/ ۲۹)، الشرح الصغیر (۴/ ۱۸۷)۔

(۴۳) الشرح الصغیر للدریر (۴/ ۱۹۱)، بدایۃ المجتہد (۲/ ۲۵۰)، تبصرہ الحکام (۱/ ۲۳، ۲۴)، حاشیۃ الدسوقی (۴/ ۱۳۰)۔

(۴۴) ادب القضا لابن ابی الدم الحموی (/ ۷۰)، مغنی المحتاج (۴/ ۳۷۵)۔

(۴۵) ادب القاضی للحموی (/ ۷۱)، مغنی المحتاج (۴/ ۳۷۷)۔

(۴۶) ادب القضاء للحموی (/ ۸۰)، شرح منتہی الارادات (۳/ ۴۶۴)، المغنی (۹/ ۳۹)، الاحکام السلطانیہ لابن ابی یعلی (/ ۴۴)، کشاف القناع (۶/ ۲۹۶)۔

(۴۷) قاضی حسین: یہ حسین بن احمد ابوعلی القاضی ہیں، بڑے جلیل القدر امام ہیں، اپنے استاذ کے بلند پایہ شاگردوں میں سے ایک ہیں، ان کی شہرت آفاق تک پہنچی ہوئی تھی، بڑے بڑے ائمہ نے ان سے کسب فیض کیا، انہیں میں سے امام الحرمین، فراء وغیرہما ہیں، ان کی وفات ۴۶۲ھ میں ہوئی، دیکھئے: طبقات الشافعیۃ الکبری (۱۳/ ۱۵۵)۔

(۴۸) امام الحرمین: آپ ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی ہیں، آپ نے بلند اخلاق کا وافر حصہ پایا، اور ہمیشہ بیدار رہنے والا غضب کا حافظہ ان کے حصہ میں آیا، آپ نے چالیس سے زیادہ اپنی تالیفات چھوڑیں، انہیں میں سے ''البرہان'' الورقات فی اصول الفقہ اور قرآن کی تفسیر بھی ہے، آپ کی وفات ۴۷۸ھ میں ہوئی، دیکھئے: طبقات الشافعیۃ الکبری (۱۳/ ۲۴۹)۔

(۴۹) الماوردی: آپ امام علی بن محمد بن حبیب ماوردی، بصری ہیں، شافعیہ کے کبار علماء میں سے ہیں، دوسرے علماء کے مذاہب کا بھی انہوں نے خوب احاطہ کیا تھا، ان کی علمی وسعت اور معرفت کی کثرت پر ان کی کتاب ''الحاوی الکبیر'' بہت بڑی دلیل ہے، آپ کی وفات ۴۵۰ھ میں ہوئی، دیکھئے: تہذیب الاسماء واللغات (۲/ ۲۱۰)۔

(۵۰) فتح القدیر (۵/ ۴۵۷)، ابن عابدین (۵/ ۳۵۶)، روضۃ القضاۃ (۱/ ۵۲—۵۹)، شرح

ادب القاضی لابن مازہ (۱/۱۲۹)، کفایۃ الطالب الربانی (۴/۱۱۳)، ادب القاضی للماوردی (۱/۱۴۴)، ادب القضاء لابن ابی الدم (/۸۴، ۸۵)، کشاف القناع (۶/۲۸۶، ۲۸۸)، الانصاف (۱۱/۱۵۸)۔

(۵۱) اس کی تخریج بخاری نے (۴۴۲۵، ۷۰۹۹) ابوبکرہ کی حدیث سے کی ہے۔

(۵۲) سورہ بقرہ: ۲۸۲۔

(۵۳) الطبری: یہ امام ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری ہیں، آپ مایہ ناز مفسر، قاری، محدث، مورخ، فقیہ، اصولی، اور مجتہد ہیں، طبرستان میں ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے، اور آپ کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی، آپ کی بہت مشہور قرآن کی تفسیر، تفسیر طبری کے نام ہے، دیکھئے: الدر الثمین (۱۰/۳۸)۔

(۵۴) المغنی (۹/۳۹)، ادب القاضی للماوردی (۱/۶۲۵–۶۲۸)، القوانین الفقہیہ لابن جزی (/۱۹۵)، روضۃ القضاۃ للسمنانی (۱/۵۳)، فتح القدیر (۵/۴۸۵)۔

(۵۵) مغنی المحتاج (۴/۳۳۷)۔

(۵۶) سورہ حجرات: ۶۔

(۵۷) قاضی عیاض: یہ ابوالفضل عیاض بن موسی بن عیاض الیحصبی سبتی اندلسی مالکی ہیں، امام ہیں، فقیہ ہیں، مورخ ہیں اور اصولی ہیں، آپ امام مالک کے مذہب کے حافظ تھے، آپ کی بہت سی تالیفات ہیں، وفات ۵۴۴ھ میں ہوئی، دیکھئے: الدیباج المذہب (۲/۴۶)۔

(۵۸) النووی: آپ شیخ محی الدین ابوبکر زکریا یحییٰ بن شرف نووی ہیں، آپ مذہب شافعی کے سرخیل اور اس کے منقح تھے، ملک شام کے ایک دیہاتی علاقہ نوا، میں پیدا ہوئے اور علم کے طلب میں برتری حاصل کی، شافعی مذہب میں آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں، علم حدیث میں بھی ہیں، اور آپ کی بہت مشہور کتابیں ہیں، آپ کی وفات ۶۷۶ھ اور اپنے اسی آبائی گاؤں میں دفن ہوئے، دیکھئے: طبقات الشافعیۃ الکبری (۸/۳۹۵) اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۵۹) ابن الہمام: یہ محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید، کمال الدین ہیں، اور ابن الہمام سکندری سے مشہور ہیں، اپنے والد اور اپنے شہر کے مقتدر علماء سے تحصیل علم کیا، آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں اور معتبر ہیں، ان میں ہدایہ کی شرح ''فتح القدیر''، اصول فقہ میں ''التحریر'' وغیرہ ہیں آپ کی وفات

۶۸۰ھ میں ہوئی، دیکھئے: شذرات الذہب (۸/۲۹۸)۔

(۶۰) المغنی (۹/۴۰)، ادب القاضی للماوردی (۱/۶۳۴)، الروضہ (۱۱/۹۷)، ابن عابدین (۵/۳۵۶–۳۵۵)، فتح القدیر (۵/۴۵۵)، ادب القاضی للصدر الشہید (۱/۱۲۹)، تبصرۃ الحکام (۱/۲۴)، الشرح الصغیر (۴/۱۸۷)۔

(۶۱) سورہ نساء: ۱۴۱۔

(۶۲) الشربینی: یہ امام محمد بن احمد بن الخطیب الشربینی قاہرہ کے رہنے والے اور شافعی ہیں، فقیہ مغربی اور خطیب ہیں، بہت بڑے عابد وزاہد اور صاحب تقوی وورع تھے، ان کی تصنیفات میں: مغنی المحتاج، الاقناع، السراج المنیر ہے، ۹۷۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی، دیکھئے: (الاعلام ۶/۶)۔

(۶۳) الرویانی: یہ قاضی عبدالواحد اسماعیل ہیں اور کبار فقہاء شافعیہ میں سے ہیں، ''بحر المذہب'' آپ ہی کی کتاب ہے، آپ باطنیہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کے ہاتھوں شہید ہوکر ۵۰۲ھ میں وفات پائی، دیکھئے: مصطلحات المذہب عند الشافعیۃ (۳/)۔

(۶۴) ابن عابدین (۵/۳۵۵–۴۲۸) ادب القاضی للماوردی (۱/۶۶۱–۶۶۳)، الشرح الصغیر (۴/۱۸۷)، شرح منتہی الارادات (۳/۴۶۴)، مغنی المحتاج (۴/۳۷۵)۔

(۶۵) اس کی تخریج البیہقی (۱۰/۱۱۷) نے کی ہے۔

(۶۶) اس کی تخریج دارقطنی (۴/۲۰۶) اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ (۳۲/۷۱) میں اور بیہقی (۱۰/۱۵۰) نے کی ہے، اس کی سند میں عبداللہ بن ابی حمید ہے جو متروک الحدیث ہے، جیسا کہ ''التقریب'' میں ہے، البتہ اس حدیث کی سب سے عمدہ سند اور واسطہ وہ ہے جو دارقطنی (۴/۲۰۷) اور بیہقی (۱۰/۱۳۵) نے سفیان بن عیینہ کے واسطے سے کی ہے، جو اس طرح ہے: ''**حدثنا الإدریس الأودی عن سعید بن أبی بردة**'' اور کتاب نے جو تخریج کی ہے، اس میں اس طرح ہے: ''**هذا کتاب عمر، ثم قرئ علی سفیان من هاهنا: إلی أبی موسی الأشعری أما بعد۔۔۔۔ الخ**'' اس کی سند اور اس کے رجال ثقہ ہیں اور شیخین کے رجال ہیں، لیکن یہ مرسل ہے، کیونکہ سعید بن بردہ چھوٹی عمر کے تابعی ہیں، اور ان کی روایت عمر سے مرسلاً ہی ہوسکتی ہے، لیکن اس کے باوجود ان کا قول ''ہذا کتاب عمر'' یہ عمدہ اور وافر صحیح مواد ہے ان لوگوں کے لئے

جواس کوحجت مانتے ہیں۔

(٦٧) ابن القیم: یہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد دمشقی شمس الدین ہیں، کبار علماء میں سے ہیں: ابن تیمیہ کے شاگرد بھی ہیں (اوران کے زبردست حامی بھی، یہاں تک کہ ابن تیمیہ کے ساتھ جیل بھی گئے، بہت سی کتابوں کے مولف ہیں، مثلاً: ''الطرق الحکمیہ، مفتاح دار السعادۃ، اعلام الموقعین''، آپ کی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی، دیکھئے: الاعلام (٦/ ۲۸٦)۔

(٦٨) جن مصادر وکتب میں ''کتاب عمرؓ'' کونقل کیا گیا ہے، ان میں کافی الفاظ کا فرق پایا جاتا ہے، البتہ معنی سب کا ایک ہے، اس کتاب کو''سیاسۃ القضاء'' (نظام قضاء) کا نام دیا گیا ہے، ابن قیم نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں اس کی تشریح کی ہے، اور بہت عمدہ اور سیر حاصل کی ہے۔

(٦٩) العما، اس کے معنی ہے اندھیرا اور گھٹاٹوپ بادل، گمراہی، اور معاملہ میں الجھنا، کسائی، (امام اللغت): ''هو فى عماية شديدة وعما'' (وہ بہت بڑی گمراہی اور عماء، یعنی اندھیرے میں ہے)، اور حدیث میں ہے: ''من قاتل تحت راية عمية'' (جس نے گمراہ جھنڈے تلے جہاد کیا) (صحیح مسلم (۱۸۴۸) یہ گمراہ علماء کی خصلت ہوتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے: فلاں گمراہی میں ہے، جب وہ حق سے بالکل نا آشنا ہو (مقاییس اللغہ لابن فارس (۴/ ۱۲۴)۔

(۷۰) الظنین: وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی ہو۔

(۷۱) شک الراوی، اس سے مراد بعض عبارت میں ابوعبید کولیا گیا ہے، یعنی فریقین کے سامنے یا مقدمہ کے تمام فریق کے سامنے۔

(۷۲) اعلام الموقعین (۱/ ۸۵) اور اس کے بعد کے صفحات، طبع دار الجیل بیروت ۱۹۷۳ء، بدائع الصنائع للکاسانی (۷/ ۹)، تبصرۃ الحکام (۱/ ۲۸)، المبسوط للسرخسی (۱٦/ ٦۳)، مطبعۃ السعادۃ، شرح ادب القاضی للخطاب، وشرح ادب القاضی لابن مازہ (۱/ ۲۲۷)، روضۃ القضاۃ للسمنانی (۴/ ۱۴۸۹)، ماوردی نے بھی اسے ''کتاب ادب القاضی'' میں مختلف مادے کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کا آغاز صفحہ (۱/ ۲۵۰) سے ہوتا ہے۔ البیان والتبیین (۲/ ۴۸)، مطبع لجنۃ التالیف والنشر، الکامل للمبرد (۱/ ۱۴)۔

(۷۳) اس کی تخریج بخاری (۷۱۵۸)، مسلم (۷۱۷) عبدالرحمن بن ابی بکرہ عن ابیہ سے مرفوعاً کی ہے، اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

(۷۴) بدائع الصنائع (۷/۹)، شرح ادب القاضی للصدر الشہید (۱/۳۴۰) اور اس کے صفحات، الشرح الصغیر (۴/۲۰۵)، تبصرۃ الحکام (۱/۳۵)، مغنی المحتاج (۴/۳۹۱) اور اس کے بعد کے صفحات، روضۃ الطالبین (۱۱/۱۳۹—۱۴۳)، ادب القضاء لابن ابی الدم الحموی (۱/۱۱۴)، شرح منتہی الارادات (۳/۴۷۱)، کشاف القناع (۶/۳۱۶)۔

(۷۵) الاحکام السلطانیہ للماوردی (۱/۶۷—۶۹)۔

(۷۶) ''الایامی''، لغت میں کہا جاتا ہے (امت) المرأة أيما وأيوما، وأيمة، جو بغیر شوہر کے بیٹھی ہو جو باکرہ ہو یا ثیبہ، یا اس نے اپنے شوہر کو کھو دیا ہو، تو وہ ایم اور ایمہ ہے، اس کی جمع أیامی ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے: ''أم الرجل فهو أيم''، اس لئے ''أیامی'' اس کو کہا جاتا ہے جس کے نہ شوہر ہو اور نہ بیوی ہو، اللہ تعالی نے سورہ نور میں فرمایا ہے: ''وأنكحوا الأيامى منكم والصالحين من عبادكم وإمائكم إن يكونوا فقراء يغنهم الله من فضله والله واسع عليم'' (سورہ نور: ۳۲) (دیکھئے: المعجم الوسیط (۱/۳۴)، کلمات القرآن تفسیر وبیان (۱/۲۰۴) (اور نکاح کراؤ اپنے میں کے بن بیاہے مردوں اور عورتوں کے، اور نیک غلاموں اور باندیوں کے، اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کردے گا، اور اللہ بڑے وسیع علم والا ہے)۔

(۷۷) الأحکام السلطانیہ للماوردی (۱/۶۷، ۶۹)۔

(۷۸) الأحکام السلطانیہ للماوردی (۱/۶۷—۶۹)، الأحکام السلطانیہ لأبی یعلی (۱/۴۹—۵۲)، ابن عابدین (۵/۴۱۹)، القوانین الفقہیہ لابن جزی (۱/۱۹۴)۔

(۷۹) الأحکام السلطانیہ للماوردی (۱/۷۰)، الأحکام السلطانیہ لأبی یعلی (۱/۵۴)۔

(۸۰) دیکھئے: لسان العرب، والقاموس المحیط۔

(۸۱) سورہ یوسف: ۴۳۔

(۸۲) سوہ کہف: ۲۲۔

(۸۳) سورہ الصافات: ۱۱۔

(۸۴) تفسیر القرطبی (۱۵/ ۶۸)، تفسیر ابن کثیر (۴/ ۳)، مطبع عیسی حلبی۔

(۸۵) شرح المنتہی (۳۳/ ۴۵۶)، مطبع انصار السنہ القاہرہ، صفۃ الفتوی والمستفتی لابن حمدان (/ ۴)۔

(۸۶) ''الصیر فی'' یہ ابوبکر محمد بن عبداللہ الصیر فی ہیں، یہ اصولی امام، اصحاب وجوہ میں سے ایک ہیں، کہا جاتا ہے کہ امام شافعی کے بعد اصول فقہ کے سب سے بڑے عالم تھے، آپ نے ابن سریج سے تفقہ حاصل کیا، آپ کی کتابوں میں سے: شرح الرسالہ، کتاب الاجماع، ہے، آپ کی وفات ۳۳۰/ ھ میں ہوئی، دیکھئے: طبقات الشافعیۃ الکبری (۲/ ۱۶۹)۔

(۸۷) البحر المحیط (۶/ ۳۰۵)۔

(۸۸) ''الزرکشی'' یہ ابوعبداللہ محمد بن بہادر بن عبداللہ زرکشی مصری ہیں، فقیہ، محدث ہیں، اور بہت سے علوم سے آپ نے وافر حصہ پایا تھا، آپ کی اہم کتابوں میں سے: البحر المحیط فی اصول الفقہ، البرہان فی علوم القرآن، اعلام الساجد بأحکام المساجد، آپ کی وفات (۷۹۴ھ) میں ہوئی، دیکھئے: الاعلام (۶/ ۶۰-۶۱)۔

(۸۹) البحر المحیط (۶/ ۳۰۶)۔

(۹۰) تجزئی اجتہاد کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی عالم بعض احکام کے استنباط میں اجتہاد کرے، اور دوسرے میں نہ کرے، اس کی دو صورتیں ہیں :

اول: کسی عالم نے صرف بعض احکام سے تعلق رکھنے والے دلائل اور اجتہاد کی علتوں تک رسائی حاصل کی ہو، دوسرے ابواب کے دلائل اور اجتہاد کی علتوں کو حاصل نہ کیا ہو اور نہ ان میں استنباط کی کوشش کی ہو، جیسے بیوع، شرکت یا نکاح کے ابواب سے واقف ہو اور دوسرے سے نہیں۔

دوم: ایسا عالم اور مجتہد جو بعض مسائل کے حکم مستنبط کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اسی باب کے دوسرے مسائل کی تخریج واستنباط نہ کرسکا ہو۔

اجتہاد کی اس قسم کے حکم کے بارے میں اصولین کے درمیان اختلاف ہے، بعض حضرات تجزئی اجتہاد کے جواز کے قائل ہیں، اور دوسرے عدم جواز کے، جبکہ دونوں کے درمیان ایک تیسرا فریق بھی ہے جو صرف فرائض (میراث) میں اجتہاد کی تجزئی کا قائل ہے، دوسرے میں نہیں، دیکھئے: ارشاد الفحول (/ ۲۵۵)، فواتح الرحموت (۲/ ۳۶۵)، اعلام الموقعین (۴/ ۲۱۶)، المستصفی (۲/ ۳۵۳)۔

(۹۱) شرح المنتہی (۳/۴۵۷)، اعلام الموقعین (۴/۲۲۰)، حاشیہ ابن عابدین (۴/۳۰۲)، صفۃ الفتوی لابن حمدان (ر ۱۳)، المجموع (۱/۷۵)، مع تکملہ اور تحقیق مطیعی۔

(۹۲) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (۴/۳۰۲)۔

(۹۳) حاشیہ دسوقی (۴/۱۳۰)۔

(۹۴) صفۃ الفتوی لابی حمدان (ر ۲۹)، المجموع (۱/۴۱)۔

(۹۵) مجمع الانہر (۲/۱۴۵)۔

(۹۶) اعلام الموقعین (۴/۲۲۰)، شرح المنتہی (۳/۴۵۷)، ابن عابدین (۴/۳۰۱)۔

(۹۷) الخطیب البغدادی: یہ احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی ہیں، ''حفاظ حدیث میں سے ایک ہیں، اور زبردست صاحب ضبط واتقان میں سے ہیں، آپ کی ولادت ۳۹۲ھ میں ہوئی۔ آپ نے قاضی ابوطیب طبری اور ابوالحسن محاملی سے تفقہ حاصل کیا، نیز آپ نے شیخ ابواسحاق شیرازی اور ابونصر بن صباغ سے بھی استفادہ اور کسب فیض کیا، حدیث میں ان کی شہرت کسی تفصیل کی محتاج نہیں ہے، آپ کی مشہور تصانیف میں ''تاریخ بغداد'' ہے، آپ کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے آپ مہیب (صاحب رعب)، وقور (بہت زیادہ صاحب وقار)، ثقہ (قابل اعتماد)، متحری (بہت زیادہ غور وفکر کرنے والے)، حجہ (اپنے آپ میں سند)، حسن الحظ (علم وفہم میں عمدہ حصہ پانے والے)، کثیر الضبط (بہت معلومات ضبط کرنے والے) اور فصیح وبلیغ تھے، آپ کی وفات ۴۶۳ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: طبقات الشافعیہ لابن قاضی شہبہ (۲/۲۴۱)۔

(۹۸) الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی (ر ۲۰۲)، قاہرہ، زکریا علی یوسف نے شائع کیا ہے، المجموع (۱/۴۲)۔

(۹۹) سورہ اعراف: ۳۳۔

(۱۰۰) اعلام الموقعین (۱/۴۶)۔

(۱۰۱) حوالہ سابق۔

(۱۰۲) حاشیہ ابن عابدین (۱/۴۷)، المجموع (۱/۴۵)۔

(۱۰۳) فتاوی ابن الصلاح (۱/۳۹)، المجموع للنووی (۱/۴۲)۔

(۱۰۴) ابن عابدین (۴/ ۳۰۵، ۳۰۶)، اعلام الموقعین (۱/ ۴۶)، صفۃ الفتوی لابن حمدان (/ ۲۴)، ارشاد الفحول (/ ۲۹۶)۔

(۱۰۵) البحر المحیط للزرکشی (۶/ ۳۰۶)۔

(۱۰۶) اعلام الموقعین (۴/ ۱۵۹، ۱۹۸، ۱/ ۴۵)، اور ایسے ہی ''رسم المفتی لابن عابدین (/ ۱۱) میں ہے۔

(۱۰۷) البحر المحیط للزرکشی (۶/ ۳۰۷)۔

(۱۰۸) حاشیہ ابن عابدین (۴/ ۳۰۲، ۱/ ۴۸)۔

(۱۰۹) شرح المنتہی (۲۲/ ۴۵۸)، اعلام الموقعین (۴/ ۲۳۷)، عقود رسم المفتی لابن عابدین (/ ۱۱)، المجموع (۱/ ۶۸)۔

(۱۱۰) الدر المختار بہامش حاشیۃ ابن عابدین (۱۱/ ۵۱، ۲/ ۶۰۲)، دسوقی علی الشرح الکبیر (۴/ ۱۳۰، ۱/ ۲۰)، اعلام الموقعین (۴/ ۲۱۱، ۱۷۷)۔

(۱۱۱) ابن عابدین (۱/ ۵۱)، حاشیہ دسوقی (۴/ ۱۳۰)۔

(۱۱۲) اعلام الموقعین لابن القیم (۲/ ۲۱۵، ۲۶۰)، المجموع للنووی (۱/ ۵۵)۔

(۱۱۳) **شافعیہ کے نزدیک قول قدیم کے مفتی بہ مسائل**: شافعیہ کے نزدیک امام شافعی کے قول قدیم پر متعدد مسائل مفتی بہ ہیں، جبکہ شافعیہ کے نزدیک ان میں کے مختلف مسائل میں اختلاف بھی ہے، لیکن ان میں سے ۱۹ مسائل کا ذکر نووی نے کیا ہے:

۱- صبح کی اذان میں تثویب مستحب ہے (یہ قول قدیم ہے)۔

۲- ماء کثیر میں نجاست سے پاکی، (قول قدیم یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے)۔

۳- آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ (قول قدیم یہ ہے کہ مستحب نہیں ہے)۔

۴- ڈھیلے سے استنجاء جب نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے، (قول قدیم جواز کا ہے)۔

۵- محرم کو چھونے سے وضو ٹوٹنا (قول قدیم یہ ہے کہ نہیں ٹوٹتا)۔

۶- ماء جاری (قول قدیم یہ ہے کہ جب تک تغیر نہ ہو نجس نہیں ہوتا)۔

۷- عشاء کی نماز جلدی پڑھنا (قول قدیم یہ ہے کہ یہ افضل ہے)۔

۸- مغرب کا وقت (قول قدیم یہ ہے کہ طلوع شفق تک دراز ہوتا ہے)۔

۹—منفرد جب اقتداء کی نیت دوران نماز کرلے (قول قدیم یہ ہے کہ جائز ہے)۔
۱۰— دباغت دیئے ہوئے مردار کا چمڑا کھانا (قول قدیم عدم جواز کا ہے)۔
۱۱—محرم کا باندی سے وطی کرنا (قول قدیم یہ ہے کہ اس پر حد واجب نہیں ہوگی)۔
۱۲—میت کے ناخن کاٹنا (قول قدیم میں مکروہ ہے)۔
۱۳—کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے احرام سے حلال ہونے کی شرط (قول قدیم جواز کا ہے)۔
۱۴—رکاز کی زکوۃ میں نصاب کے بقدر ہونے کا اعتبار (قول قدیم یہ ہے کہ معتبر نہیں ہے)۔
۱۵—جہری نماز میں مقتدی کا آمین بالجہر (قول قدیم میں مستحب ہے)۔
۱۶—جس شخص کا انتقال ہوجائے اور اس کے ذمہ روزہ ہو، (قول قدیم یہ ہے کہ اس کا ولی اسے رکھے گا)۔
۱۷—نمازی کے سامنے خط کھینچنا جب کوئی ٹہنی وغیرہ نہ ملے (قدیم میں مستحب ہے)۔
۱۸— دو شریک میں سے ایک کو دیوار کی تعمیر سے روکنا (قول قدیم یہ ہے کہ اس کو مجبور کیا جائے گا)۔
۱۹—شوہر کے ہاتھ میں مہر دینا، کیا وہ ضمان عقد کی حیثیت سے ضامن ہوگا، یا ضمان بالید (یعنی صرف رکھنے کا ذمہ دار ہوگا) (قول قدیم یہ ہے کہ وہ صرف مضمون ضمان بالید، یعنی وہ رکھنے کی وجہ سے ذمہ دار ہے، دیکھئے: مقدمہ المجموع (۱/۱۰۸، ۱۰۹)، الاشباہ والنظائر للسیوطی (۵۴۰/)۔

(۱۱۴) البحر المحیط (۶/ ۳۰۴)، المجموع (۶۶، ۶۸)۔
(۱۱۵) المجموع شرح التہذیب (۱/۴۱)۔
(۱۱۶) حوالہ سابق (ایضا)
(۱۱۷) حاشیہ ابن عابدین (۴/۳۰۱)۔
(۱۱۸) الغرّ، وہ شخص جسے دھوکہ دیا جائے تو دھوکہ کھا جائے (چاہے مرد ہو یا عورت) وہ بھی غرہ ہوتی (دھوکہ کھاتی ہے) اس کی جمع اِغرار اور غرار" ہے، المعجم الوسیط (۲/ ۶۴۸)۔
(۱۱۹) الزغل، الغش، (دھوکہ) دیکھئے: المعجم الوسیط (۱/ ۳۹۵)۔
(۱۲۰) اعلام الموقعین (۴/ ۲۲۹، ۲۰۵)۔
(۱۲۱) المجموع (۱/۴۶)۔

(۱۲۲) ابوعمرو بن الصلاح: یہ تقی الدین ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمن بن عثمان بن موسی کردی شافعی ہیں، اور ابن صلاح سے مشہور ہیں، محدث، مفسر، فقیہ، اصولی، نحوی، اور اسمائے رجال کے ماہر، مختلف علوم سے وافر حصہ پایا تھا، ان کی تصنیفات میں سے: شرح مشکل الوسیط للغزالی، فی فروعہ الشافعیہ، علوم اور مقدمہ ابن صلاح مشہور ومعروف ہیں، آپ ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۴۳ھ میں وفات ہوئی، دیکھئے: الدرالثمین (۱/۱۵۹)۔

(۱۲۳) حاشیہ ابن عابدین (۴/۳۰۲)، المجموع للنووی (۱/۴۱)، شرح المنتہی (۳/۴۷۲، ۴۷۳)، اعلام الموقعین (۴/۲۱۰)۔

(۱۲۴) اعلام الموقعین (۴/۱۹۹، ۲۰۵)۔

(۱۲۵) شریح: یہ فقیہ ابوامیہ شریح بن الحارث قیس بن جہم ہیں، کوفہ کے قاضی تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کو صحابیات کا شرف حاصل ہے، مگر یہ بات درست نہیں ہے، بلکہ وہ حضور کی زندگی میں اسلام لے آئے تھے، مگر حضور کی صحبت نہیں ملی، اور یمن سے حضرت ابوبکر کے زمانہ میں منتقل ہوئے، اور حضرت عمر نے ان کو کوفہ کا قاضی بنایا، آپ اعلی درجہ کے شاعر بھی تھے، شعبی کہتے ہیں کہ قضاء کے معاملے میں سب سے بڑے عالم تھے، ۱۱۰ سال زندہ رہے، (۷۸ھ) میں وفات پائی، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء (۴/۱۰۰)۔

(۱۲۶) ابن المنذر: یہ محمد بن ابراہیم بن المنذر ابوبکر نیساپوری ہیں، مکہ کے نزیل ہوگئے تھے، اس امت کے اہم علماء میں سے ایک ہیں، مجتہد تھے، حافظ تھے، صاحب تقوی تھے، انہوں نے حدیث سنی بھی اور روایت بھی کی، ان کی بہت مفید تصنیفات ہیں، ان کے بارے میں سبکی کہتے ہیں کہ اجتہاد مطلق کے رتبہ پر فائز تھے، دیکھئے: طبقاف الشافعیۃ الکبری (۲/۲۶)۔

(۱۲۷) المجموع للنووی (۱/۴۲)، اعلام الموقعین (۴/۲۲۰)، صفۃ الفتوی لابن ہمدان (/۲۹)۔

(۱۲۸) حاشیہ ابن عابدین، درمختار (۴/۳۰۲)۔

(۱۲۹) البرزلی: یہ ابوالقاسم بن احمد البرزلی بلوی، قیروانی تیونسی ہیں، فقیہ، حافظ اور امام تھے، فقہ میں دیوان کبیر، الحاوی فی النوازل، فنون علم میں ان کے بہت سے فتاوی ہیں، ۸۴۱ھ میں وفات ہوئی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (۸۴۳) میں ان کا انتقال ہوا، دیکھئے: شجرۃ النور الزکیہ (/۳۵۲، ۳۵۳)۔

(۱۳۰) الشرح الکبیر وحاشیہ دسوقی (۴/۱۳۹)۔

(۱۳۱) اعلام الموقعین (۴/۲۲۱)، حاشیۃ دسوقی (۴/۱۵۷)، ابن عابدین (۴/۳۲۶)۔

(۱۳۲) شرح المنتہی (۳/۵۰۱)۔

(۱۳۳) اعلام الموقعین (۱۱/۳۶، ۳۸، ۴/۲۶۴)، **الإحکام فی تمییز الفتاوی من الأحکام للقرافی** (۲۰/)، مطبع حلب مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ ۱۳۸۷ھ۔

(۱۳۴) البحر المحیط للزرکشی (۶/۳۱۵)، طبع کویت وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ ۱۹۹۰ء۔

(۱۳۵) ردالمحتار علی الدر المختار (۴/۳۰۶)۔

(۱۳۶) اعلام الموقعین (۱/۳۸)۔

(۱۳۷) الفروق للشیخ احمد بن ادریس القرافی الصنہاجی المالکی (۴/۴۸، ۵۴)۔

[رقم الإيداع بدار الكتب المصرية: ١٣٨٧/٢٠٠٩ء
الترقيم الدولي: ٩٧٨-٩٧٧-٢٩٧-٣٩٥-٩]